الفاضل المتوکل الکامل المتوحد جامع العلوم العقلیہ والنقلیہ واقف الرموز الحکمت امام الہمام
شیخ العلماء الاعلام ملجاء حکماء العالم مرجع افاضل العرب والعجم زبدۃ السالکین عمدۃ العارفین

سوانح عمری

آفتاب پنجاب
حضرت علامہ

عبدالحکیم

رحمۃ اللہ علیہ

مع مشاہیر تاریخ سیالکوٹ

مصنف محمد الدین فوق
ڈاکٹر ہمایوں عباس شمس

ناشر
انتظامیہ جامع مسجد علامہ عبدالحکیم
تحصیل بازار سیالکوٹ

Marfat.com

الفاضل المتوکذ الکامل المتوحد جامع العلوم العقلیہ والنقلیہ واقف الرموز الحکمت امام الہمام
شیخ العلماء الاعلام ملجا الحکماء العالم مرجع افاضل العرب والعجم زبدۃ السالکین عمدۃ العارفین

سوانح عمری

آفتاب پنجاب
حضرت علامہ

عبدالحکیم
رحمۃ اللہ علیہ

مع مشاہیر تاریخ سیالکوٹ

مصنف محمد الدین فوق

ڈاکٹر ہمایوں عباس شمس

ناشر
انتظامیہ جامع مسجد علامہ عبدالحکیم
تحصیل بازار سیالکوٹ

Marfat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	....	سوانح حیات علامہ عبدالحکیم رحمۃ اللہ علیہ فاضل سیالکوٹی مع تاریخ سیالکوٹ ومشاہیر سیالکوٹ
مصنف	....	محمد الدین فوق، ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس
اشاعت اول	....	۱۹۲۴ء
اشاعت دوم	....	مارچ ۱۹۷۳ء
اشاعت سوئم مع تکملہ	....	فروری ۲۰۰۹ء
ناشر	....	انتظامیہ جامع مسجد علامہ عبدالحکیم رحمۃ اللہ علیہ تحصیل بازار سیالکوٹ
ہدیہ	....	برائے ایصال ثواب

Marfat.com

فہرست سوانحات علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
☆	قارئین!	7
☆	پیش گفتار	12
(۱)	مولانا عبدالحکیم (مقدمہ از ڈاکٹر محمد اقبال)	15
(۲)	دیباچہ از مصنف	15
(۳)	وطن، خاندان، پیدائش	21
(۴)	فاضل سیالکوٹی کا استاد	24
(۵)	علامہ عبدالحکیم کے ہم مکتب	29
(۶)	مولانا عبدالحکیم اور حضرت مجدد الف ثانی	34
(۷)	مولوی عبدالحکیم عہد اکبری میں	39
(۸)	مولوی عبدالحکیم عہد جہانگیری میں	40
(۹)	مولوی عبدالحکیم اور شہنشاہ شاہجہان	42
(۱۰)	مولوی عبدالحکیم کے تلامذہ	49
(۱۱)	مولوی عبدالحکیم اور شیخ آدم بنوری	53
(۱۲)	مولوی عبدالحکیم اور حافظ شیخ حسین	55
(۱۳)	مولوی عبدالحکیم کا کتب خانہ	56
(۱۴)	علامہ عبدالحکیم کی وفات اور انکا مقبرہ	56
(۱۵)	مولوی عبدالحکیم کی اولاد و احفاد	60

Marfat.com

(۱۶)	مولوی عبدالحکیم کی تعمیر کردہ عمارتیں	64
(۱۷)	مولوی عبدالحکیم اور علماء ومشائخ اور مؤرخین	70
(۱۸)	مولوی عبدالحکیم کی تصنیفات	72
(۱۹)	مولانا عبدالحکیم کی تین خاص تصانیف	75
(۲۰)	نظم درفضائل علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی	77
(۲۱)	حاجی محمد سعید اور علامہ عبدالحکیم	78
(۲۲)	شیخ سعدی کی گلستان اور علامہ عبدالحکیم	79
(۲۳)	تبصرہ	80
(۲۴)	تکملہ	101
(۲۵)	تلامذہ	106

☆☆☆

فہرست مشاہیر سیالکوٹ

(۱)	میاں وارث کاشمیری	134
(۲)	حضرت شاہ حمزہ غوث	134
(۳)	بابا فتح اللہ حقانی	135
(۴)	بابا عمر حقانی کاشمیری	136
(۵)	اخوند مولانا جمال	136
(۶)	آخوند ملا کمال	137
(۷)	مولانا محمد رضا	137

Marfat.com

(۸)	حاجی فتح محمد	138
(۹)	حاجی لال بیگ	138
(۱۰)	حاجی عبدالغنی	138
(۱۱)	حاجی مقصود	138
(۱۲)	شیخ رنگا وڈہرہ	139
(۱۳)	شاہ سیدا	139
(۱۴)	حضرت شاہ دولہ گجراتی	139
(۱۵)	قاضی محمد عارف	140
(۱۶)	ملا عیسیٰ	140
(۱۷)	ملا محمد سیالکوٹی	140
(۱۸)	اخون میر محسن سیالکوٹی	141
(۱۹)	حافظ نور محمد سیالکوٹی	142
(۲۰)	شیخ محمد سیالکوٹی	143
(۲۱)	مولوی شیخ اصغر علی	144

☆☆☆

مختصر تاریخ سیالکوٹ

(۱)	سیالکوٹ کی تواریخیں	154
(۲)	سیالکوٹ کی وجہ تسمیہ	154
(۳)	خاندان غزنوی وغوری کا تعلق سیالکوٹ سے	155

Marfat.com

(۴)	سیالکوٹ شاہان تغلق کے عہد میں	157
(۵)	قلعہ سیالکوٹ کی دیواروں پر ایک مسلمان کے خون کا چھڑکاؤ	158
(۶)	سیالکوٹ اور سلطان حسن شاہ	163
(۷)	سیالکوٹ عہد بابری میں	164
(۸)	سلیم شاہ سوری سیالکوٹ میں	166
(۹)	سیالکوٹ شہنشاہ اکبر کے زمانہ میں	167
(۱۰)	سیالکوٹ عہد جہانگیری میں	169
(۱۱)	سیالکوٹ شاہ جہاں کے زمانہ میں	170
(۱۲)	سیالکوٹ عالمگیری عہد میں	172
(۱۳)	بہادر شاہ عالم اور سیالکوٹ	175
(۱۴)	فرخ سیر کا عہد اور سیالکوٹ	175
(۱۵)	حقیقت رائے کا مشہور واقعہ	176
(۱۶)	محمد شاہ رنگیلے کا زمانہ اور سیالکوٹ	178
(۱۷)	احمد شاہ اور سیالکوٹ	179
(۱۸)	احمد شاہ کابلی کے ماتحت سیالکوٹ کی حالت	179
(۱۹)	رنجیت سنگھ کی فوج کشی سیالکوٹ پر	182
(۲۰)	شاہ شجاع والے کابل سیالکوٹ میں	185
(۲۱)	سیالکوٹ شہزادہ کشمیرا سنگھ و پشوارا سنگھ کی جاگیریں	186
(۲۲)	غدر ۱۸۵۷ء کا سیالکوٹ	188

☆☆☆

Marfat.com

برائے ایصال ثواب

شیخ الحدیث والتفسیر محدث سیالکوٹی

حضرت علامہ مولانا پیر

حافظ محمد عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

پیر طریقت رہبر شریعت جگر گوشہ فقیہ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

سلطان الواعظین حضرت علامہ

ابوالنور محمد بشیر احمد کوٹلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

Marfat.com

برائے ایصال ثواب

مناظر اسلام مصنف کتب کثیرہ

حضرت علامہ مولانا ابوالحامد **محمد ضیاء اللہ** قادری

اشرفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

عاشق رسول مخدوم اہل سنت

خواجہ محمد ہدایت اللہ بٹؔ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

خواجہ محمد جمیل صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

محمد انور صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

Marfat.com

برائے ایصال ثواب

شہر سیالکوٹ کی معروف سماجی شخصیت

الحاج سیٹھ محمد بشیر صاحب واہلیہ محترمہ

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما

بانی سردار بیگم ہسپتال سیالکوٹ

والدین محترم حاجی غلام مرتضیٰ صاحب

Marfat.com

قارئین!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

علامہ عبدالحکیم فاضل سیالکوٹی قدس سرۃ العزیز جن کی سوانح حیات پیش خدمت ہے۔ اپنے دور کی بے مثال ہستی ہیں۔ علم وعمل اور زہد وورع میں آپ کا مقام بہت بلند ہے۔ اہالیانِ سیالکوٹ پر آپ کا احسانِ عظیم ہے۔ لیکن آپ کی علمی خدمات سے اہالیانِ سیالکوٹ کی اکثریت ناواقف ہے۔

کمیٹی جامع مسجد علامہ عبدالحکیم علیہ الرحمۃ (رجسٹرڈ) تحصیل بازار سیالکوٹ ہر سال آپ کے سالانہ عرس مبارک کا اہتمام کرتی ہے۔ امسال فقیر کو اپنے تئیں احساس ہوا کہ کتابی شکل میں فاضل سیالکوٹی کی سوانح حیات شائع کر کے اہالیانِ سیالکوٹ کو علامہ موصوف کی گراں قدر خدمات اور آپ کے علمی مقام سے روشناس کرایا جائے۔ اور مسجد کمیٹی کی توجہ کو بھی اس طرف مبذول کرایا جس کا اُنہوں نے بھی اقرار کیا۔ اور اس عرس مبارک پر جو کہ ۲۰ رفروری ۲۰۰۹ء کو منعقد ہو رہا ہے۔ کتابی شکل میں سوانح حیات شائع کرنے کا پروگرام بنایا۔ اور پروگرام کے مطابق علامہ عبدالحکیم رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات جو کے ۱۹۲۴ء میں محمد الدین فوق ایڈیٹر اخبار کشمیری لاہور نے مرتب کی تھی اس پر ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس صاحب نے مزید اضافہ کر کے آپ کی تصانیف کا تعارف اور آپ کے تلامذہ کا ذکر خیر بھی شامل کیا۔ ان دونوں احباب کی اس کاوش کو کتابی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ تاریخ سیالکوٹ اور مشاہیر سیالکوٹ کا تزکرہ جو کہ محمد الدین فوق صاحب نے کیا ہے وہ بھی شامل کر دیا گیا ہے۔ الحمدللہ رب العالمین! وہ پروگرام عملی شکل میں آپ کے

Marfat.com

سامنے ہے۔اس کتاب کی اشاعت کے جملہ اخراجات صاحب زادہ محمد حامد ضیاء قادری رضوی اوران کے ساتھ خواجہ عمران سہیل بٹ صاحب ،مولانا محمد خالد رضوی صاحب ،خواجہ محمد طاہر صاحب ،حاجی محمد غلام مرتضی صاحب ،محمد محسن صاحب ،محمد شفیق رضوی صاحب نے برداشت کیے اللہ کریم بجاہ النبی ﷺ قبول فرمائے اور ذریعہ نجات بنائے۔آمین

اس کے بعد اپنے استاد محترم مولانا عبداللطیف نقشبندی صاحب، مولانا عبدالخالق بجواتی صاحب ،صاحبزادہ حافظ محمد غلام محی الدین صاحب کا بے حد مشکور ہوں کہ جنہوں نے اپنے قیمتی مشوروں سے میری رہنمائی فرمائی۔اوراس کتاب کی پروف ریڈنگ میں میری معاونت کی۔اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔آمین

خادم علماء

صاحبزادہ محمد حامد ضیاء قادری رضوی

خطیب: جامع مسجد علامہ عبدالحکیم علیہ الرحمہ

تحصیل بازار سیالکوٹ

۱۰ر فروری ۲۰۰۹ء

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش گفتار

زیرِ نظر کتاب دراصل تین رسائل کا مجموعہ ہے جسے محمد الدین فوق نے ترتیب دیا ہے۔

(۱) ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کی سوانح عمری

(۲) مشاہیر سیالکوٹ

(۳) تاریخ سیالکوٹ

یہ کتاب ۱۹۲۳ء میں شائع ہوئی۔ مفکر پاکستان علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر مقدمہ لکھا۔ عرصہ یہ کتاب نایاب تھی۔ مولانا ضیاء اللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے جناب مولانا حامد ضیاء قادری رضوی نے تگ ودو کی کہ یہ کتاب دوبارہ عصری اسلوب کے مطابق شائع کی جائے راقم نے اس کتاب پر درج ذیل اضافے کئے۔

(۱) تینوں رسائل کی فہارس مرتب کیں۔

(۲) حضرت علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف اور تلامذہ سے متعلق بعض اضافہ جات کئے۔

(۳) حیات وخدمات سیالکوٹی کے ماخذ کی ایک فہرست مرتب کی تاکہ محققین کے لئے آسانی ہو سکے۔ جن دو بنیادی کتب سے میں نے یہ مواد اکٹھا کیا ان کا حوالہ اپنے مقام پر دیا ہے۔

Marfat.com

اس کتاب پر عجلت میں یہ مختصر اضافہ جات کئے اس کا قوی محرک یہ تھا کہ حضرت سیالکوٹی کو امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک خاص نسبت ومحبت تھی۔ اسی نسبت کا تقاضا تھا کہ راقم اس کتاب کی کچھ خدمت کرتا۔ اس خدمت کو اللہ کریم اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔

طالب دعاء
ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس
شعبہ اسلامیات
جی سی یونیورسٹی لاہور
۳۰/ اکتوبر ۲۰۰۸ء

☆☆☆

Marfat.com

یہ ہدیہ ناچیز

کہ نام اس کا

''سوانحات علامہ عبدالحکیمؒ سیالکوٹی''

ہے

باجازت خاص

فاضل اجل عالم بے بدل عالی جناب

حضرت حافظ حاجی مولانا پیر

سید جماعت علی شاہ صاحب

محدث دام فیوضہ

علیپور سیداں ضلع سیالکوٹ

کے بابرکت نام پر نہایت ادب وخلوص کیساتھ معنون کیا جاتا ہے

خاکپائے اہل ذوق

محمد الدین فوقؔ

Marfat.com

''مولانا عبدالحکیم''

از: ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب ایم۔اے (سیالکوٹی) پی۔ایچ۔ڈی)

بیرسٹرایٹ لا۔لاہور

مولوی عبدالحکیم علیہ الرحمۃ سیالکوٹ کی سرزمین میں پیدا ہوئے۔ جو شاہان مغلیہ کے زمانہ میں اسلامی علوم کی ایک مشہور درس گاہ تھی۔ ان کی عالمگیر شہرت آخر شاہجہان تک پہنچی۔ جس نے ان کی قدر افزائی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ دربار دہلی میں بادشاہ کے اشارہ سے بڑے بڑے معرکتہ الداء مذہبی و فلسفیانہ مباحث ہوا کرتے تھے۔ جن میں سیالکوٹی فلسفی کی نکتہ آفرینیاں اور موشگافیاں وسط ایشیا اور ایران کے حکماء کو محو حیرت کیا کرتی تھیں۔

ان کی فلسفیانہ تصانیف میں ''سیلکوتی علی التصورات'' ایک مشہور رسالہ ہے جو کچھ مدت ہوئی مصر میں شائع ہوا تھا۔ اس کے علاوہ ان کی اور بھی کتابیں ہیں۔ جو اسلامی ممالک میں بہت مقبول اور ہر دل عزیز ہیں۔ توحید باری تعالیٰ پر بھی ان کا ایک خاص رسالہ جو شاہجہان کی فرمائش سے لکھا گیا تھا میری نظر سے گذرا ہے۔ مگر غالباً آج تک شائع نہیں ہوا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ ان کے خیالات کا بیشتر حصہ اب تقویم پارینہ ہے۔ لیکن اسلامی فلسفہ کا مورخ اس کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔

سیالکوٹ میں ان کی مسجد اور تالاب ابتک ان کی یادگار ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ ان کا مزار جو تالات کے قریب ہی واقعہ ہے نہایت کس مپرسی کی حالت میں اہل سیالکوٹ کی بے حسی اور مردہ دلی کا گلہ گذار ہے''۔

Marfat.com

منشی محمد الدین صاحب فوق نے جن کی تاریخی کرید مشہور ہے مولانا مرحوم کے حالات زندگی لکھ کر ملک اور قوم پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ ان کی یہ تصنیف نہایت دلچسپی کے ساتھ پڑھی جائے گی۔

اس رسالہ میں ضمناً سیالکوٹ شہر کے تاریخی حالات بھی ہیں۔ جو نہایت تجسس اور تلاش سے فراہم کئے گئے ہیں اہل سیالکوٹ کو ان حالات سے بالخصوص دلچسپی ہو گی۔

۳؍دسمبر ۱۹۲۴ء

محمد اقبال

☆☆☆

Marfat.com

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

دیباچہ

میرا ایک عرصہ سے ارادہ تھا۔ کہ میں اس فاضل اجل۔ یگانہ روزگار بزرگ کے حالات قلمبند کروں۔ مگر اپنی بے بضاعتی اور کم مائگی کی وجہ سے حوصلہ نہ پڑتا تھا۔ ۱۹۱۶ء یا ۱۹۱۷ء میں ڈاکٹر شیخ محمد اقبال (گورنمنٹ نے آپ کی اعلیٰ علمی قابلیت کی وجہ سے یکم جنوری ۱۹۲۳ء کو آپ کو نایٹ ہڈ (سر) کا خطاب دیا ہے۔) ایم۔اے پی۔ ایچ ڈی بیرسٹرایٹ لاء لاہور سے کہ وہ بھی اپنے کمال علم وفضل کی وجہ سے سیالکوٹ کے فخر، پنجاب کے مایہ ناز۔ اور ہندوستان کے آفتاب ہیں۔ ذکر آیا بجھے ہوئے جوش اور مٹے ہوئے ارادہ میں پھر حرکت اور تازگی پیدا ہوگئی۔

۱۹۱۹ء کی گرمیوں کے ایام تھے کہ ارادہ عمل کی صورت میں ظاہر ہونے لگا۔ اور چونکہ مولانا کے حالات میں کوئی مستقل کتاب اب تک نہ لکھی گئی تھی۔ اس لیے سوانحات عمر کی تلاش وترتیب کے لیے بڑی مشکلات پیش آئیں اس سے بھی زیادہ مشکل کام مولانا کی تصنیفات پر جو سب عربی زبان میں ہیں تبصرہ اور تنقید تھا لیکن جب ڈاکٹر محمد اقبال صاحب کی تحریک سے مولانا محمود علی صاحب ایم۔اے پروفیسر رندھیر کالج کپورتھلہ نے یہ خدمت اپنے ذمہ لی۔ تو مجھے بہت بڑا سہارا مل گیا۔ اور میں نے چار ماہ کی محنت اور جستجو کے بعد اس کتاب کو مندرجہ ذیل تین حصوں میں ترتیب دے دیا۔

Marfat.com

(۱) سوانحات عمر علامہ عبدالحکیمؒ سیالکوٹی

(۲) تاریخ سیالکوٹ

(۳) مشاہیر سیالکوٹ

۱۹۲۰ء کے ایام سرما میں جب حضرت حافظ حاجی سید جماعت علی شاہ صاحب قبلہ محدث علی پوری لاہور تشریف لائے تو میں نے اس کتاب کا ذکر کیا۔ حضرت شاہ صاحب قبلہ نے بڑی خوشی کا اظہار فرمایا۔ اور ارشاد کیا کہ مسودہ کا کچھ حصہ ہم کو سنایا جائے دوسرے دن میں نے کہیں کہیں سے کچھ عرض کیا۔ آپ نے مسرت وخوشی کا اظہا فرماتے ہوئے میری حوصلہ فزائی فرمائی۔ اور میری گذارش پر اس کتاب کو اپنے مبارک نام پر معنون کرنا پسند فرمایا۔ بلکہ ارشاد فرمایا۔ کہ ہمارے لیے یہ بات قابل عزت ہے اور قابل فخر ہے کہ کتاب ''سوانحات عمر علامہ عبدالحکیم'' ہمارے نام پر شائع ہو''۔

میں نے اس کتاب کو مرتب کرنے کے لیے اپنی مختصر سی لائبریری کی چھان بین کی۔ تو مندرجہ ذیل کتابوں میں (جن تذکروں اور تاریخوں میں سے میں نے اس کتاب کے باقی دوحصوں تاریخ سیالکوٹ اور مشاہیر سیالکوٹ کی ترتیب میں مدد لی ہے اور ان کتابوں کے علاوہ ہیں۔) ''فاضل سیالکوٹی اور ''فاضل لاہوری'' کے متعلق کہ آپ اس نام سے بھی مشہور تھے۔ کہیں کہیں چند سطور نظر سے گذریں:

نام کتاب	سنہ تصنیف	نام مصنف	نمبر شمار
تاریخ بندوبست سیالکوٹ	۱۸۶۷ء	منشی امین چند اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر سیالکوٹ	۱
تاریخ سیالکوٹ	۱۳۰۴ھ	خواجہ عبدالصمد سیالکوٹی	۲
آثار خیر	۱۳۲۳ھ	مولانا محمد سعید مارہروی	۳

Marfat.com

روضۃ الادبا	۱۸۷۹ء	مولوی محمد الدین مولوی فاضل لاہوری	۴
تاریخ ریاست کپورتھلہ	۱۸۹۷ء	لالہ رام جس۔سی۔آئی۔ای مدار المہام ریاست کپورتھلہ	۵
ترجمہ زبدۃ المقامات	اصل فارسی ۱۰۳۷ھ ترجمہ ۱۳۴۰ھ	مولانا محمد الہاشم مرید حضرت مجدد الف ثانیؒ	۶
تاریخ جدولیہ	۱۲۶۹ھ ۱۸۸۳ء	مولوی خادم علی سندیلوی	۷
حدائق الحنفیہ	۱۳۱۰ھ	مولوی فقیر محمد جہلمی	۸
مسالک السالکین جلد اول	۱۳۲۸ھ	مولوی مرزا عبد الستار بیگ سہسرامی	۹
مآثر الکرام فارسی	تصنیف ۱۱۶۶ھ طبع ۱۹۱۰ء	مولانا غلام علی آزاد بلگرامی	۱۰
مآثر الامراء	بعہد محمد شاہ	صمصام الدولہ شاہنواز خاں	۱۱
حسنات العارفین فارسی	۱۰۳۴ھ	داراشکوہ بن شاہجہان	۱۲
تاریخ کبیر کشمیر فارسی	۱۳۲۱ھ	مولوی حاجی محی الدین کاشمیری	۱۳
		(وفات ۱۹۲۱ء)	۱۳
اسرار الابرار فارسی	۱۰۶۳ھ غیر مطبوعہ	بابا داؤد مشکواتی کاشمیری	۱۴
تاریخ خواجہ اعظمی	تصنیف ۱۱۴۸ھ	خواجہ محمد اعظم دیدہ مری کاشمیری	۱۵
روضۂ قیومیہ	" "	مولانا خواجہ کمال الدین شیخ محمد احسان معصومی مخدومی	۱۶
بہجۃ المرجان عربی	" "	مولانا غلام علی آزاد بلگرامی	۱۷
سکینۃ الاولیاء ترجمہ اردو	" "	شہزادہ داراشکوہ بن شاہجہان	۱۸

Marfat.com

اگر زیادہ تجسس سے کام لیا جائے اور عربی اور فارسی کے تذکروں اور علامہ ممدوح کی تصنیفات پر گہری نظر ڈالی جائے تو ممکن ہے کچھ اور حالات بھی دستیاب ہو سکیں۔ لیکن زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ جو جمع ہو چکا ہے اس کو شائع کر دیا جاتا ہے۔ ممکن ہے یہ مختصر سے حالات جو علامہ عبدالحکیم کی روشن زندگی کے دھندلے سے نشان ہیں۔ اس شخص کو خضر راہ کا کام دے سکیں۔ جو اس معمولی سی بنیاد پر اپنے وسیع علم اپنے روشن دماغ اور اپنی اعلیٰ قابلیت سے ایک عالیشان اور فلک نما عمارت تیار کر سکتا ہو۔

میں سیالکوٹ کے محترم بزرگ شمس العلماء مولانا میر حسن صاحب پروفیسر عربی مرے کالج سیالکوٹ اور فدائے ملک وقوم آغا محمد صفدر خاں صاحب بی۔اے، ایل۔ایل۔بی سیالکوٹی صدر پنجاب خلافت کمیٹی لاہور (حال مقیم سیالکوٹ) کا تہ دل سے شکر گزار ہوں کہ صاحب اوّل الذکر نے میرے استفسار پر مولانا کے حالات کے لیے مجھے بعض کتابوں کے نام بتائے۔ اور صاحب مؤخر الذکر نے کتابوں کی ایک معقول تعداد فروخت کرانے کا وعدہ فرمایا۔

اس کتاب کا مسودہ ۱۶ر فروری ۱۹۲۳ء کو میں نے از سرنو ترتیب دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کچھ تو نئے مطالعہ و معلومات کی وجہ سے ترمیم و اضافہ کی ضرورت معلوم ہوتی تھی۔ اور بڑی وجہ یہ تھی کہ کتاب کا مسودہ دیگر مسودات کے ساتھ ایک الماری میں پڑا رہا۔ جہاں چوہوں نے کاٹ کاٹ کر اکثر جگہ سے اس کو خراب کر دیا۔ دوسری دفعہ اس مسودہ کی ترتیب و کتابت نے روزانہ تین چار گھنٹوں کے حساب سے صرف تین ہفتوں میں مجھے فارغ کر دیا۔

شروع مسودہ — محمد الدین فوقؔ۔ لاہور

۱۶ر فروری ۱۹۲۳ء بوقت شب — متوطن گھڑتل۔ ضلع سیالکوٹ

جمادی الثانی ۱۳۴۱ھ — دفتر اخبار کشمیری

ختم مسودہ ۱۰ مارچ ۱۹۲۳ء

Marfat.com

وطن......خاندان اور پیدائش

علامہ عبدالحکیم کا وطن سیالکوٹ تھا۔ یہیں عہد اکبری میں پیدا ہوئے۔ یہیں پرورش پائی۔ یہیں پھلے پھولے اور آخر یہیں انتقال کیا۔

روضۃ الادبا میں ان کے والد کا نام شیخ شمس الدین لکھا ہے۔ معلوم نہیں۔ کس خاندان سے تھے اور کیا کاروبار کرتے تھے۔ لفظ شیخ بزرگی کی وجہ سے بولا جاتا تھا۔ یا نومسلم ہونے کے لحاظ سے۔ یا مولانا کی شہرت نے باپ کی عزت کو بھی چار چاند لگا دیئے۔ افسوس ہے کوئی تاریخ اور کوئی کتاب اس امر پر روشنی نہیں ڈال سکتی۔

کسی کتاب میں تو نظر سے نہیں گذرا۔ لیکن سیالکوٹ میں عام طور پر سینہ بسینہ یہ بات مشہور چلی آتی ہے کہ مولانا عبدالحکیم ایک گمنام خاندان اور نہایت ادنیٰ قومیت رکھتے تھے۔ لیکن مولانا اگر فی الواقعہ اعلیٰ ذات سے نہیں تھے تو یہ اور بھی خوبی کی بات ہے۔ اور اسلام نے جو آزادی اور مساوات کی تعلیم دی ہے۔ اُن کی ترقی اُن کی نہ مٹنے والی شہرت اس کا ایک بدیہی اور روشن ثبوت ہے۔

بعض قوموں کے خیال میں بعض قومیں قدرتی اور ازلی طور پر غلامی اور گمنامی کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ یا دوسرے الفاظ میں قدرت نے خود قوموں کی تقسیم کر دی ہے۔ جس قوم کے حصے حکومت و امارت آ گئی ہے وہ اسی زعم باطل میں مبتلا ہے۔ کہ بس اب قیامت تک ہمارا ہی طنطنہ بجتا رہے گا۔ جو قوم غریب۔ پسماندہ اور محکوم ہے۔ اس کا کوئی حق نہیں کہ وہ فاتح قوم کی برابری کا دعویٰ کر سکے۔ اسی لیے وہ ہمیشہ جبر و تشدد کی آماجگاہ سمجھی جا رہی ہے۔ لیکن اسلام اس بات کی تعلیم نہیں دیتا۔ وہ غلامی کو مٹانے اور حریت صادقہ کا جھنڈا بلند کرنے کے لیے دنیا میں آیا۔ اور جب تک (انشاء اللہ قیامت تک) جہاں کہیں

Marfat.com

(خدا کرے ہر جگہ) حقیقی اسلام موجود رہے گا۔ ایسا ہی ہوتا رہے گا۔

اسلام نے حبشیوں اور غلاموں اور چھوٹے درجہ کے لوگوں کو نہ صرف اپنے برابر بٹھایا بلکہ ان کو اپنے خون میں مشترک کیا۔ رشتے دیئے۔ نسلی تعصبات مٹائے جو جاہل تھے ان کو عالم بنایا۔ جو کفر و ضلالت میں مبتلا تھے ان کو نور اسلام سے منور کیا۔

حسنؔ ز بصرہ بلالؔ از حبش سہیلؔ از روم
زخاک مکہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبی است

ابن خلدون کی مشاہیرؔ اسلام۔ فرید الدین عطار کا تذکرۃ الاولیاء۔ آزاد بلگرامی کا مأثر الکرام۔ اور دوسرے تذکرے دیکھو۔ تم بڑے بڑے علماء۔ صلحاء اور فقہاء کا جب حسب و نسب دیکھو گے تو تم کو بیشتر ان میں موچی، کمہار، بافندے، دھوبی، درزی، آہنگر، زرکوب، عطار اور ایسے ہی اور پیشہ ور نظر آئیں گے جن کا کام کاج جن کا پیشہ۔ جن کے مشاغل۔ جن کی گذر اوقات تمہاری ان نظروں میں جو دنیاوی وجاہت کی متلاشی اور دلدادہ ہیں۔ حقیر و ذلیل معلوم ہوگی۔ لیکن جو خدا کی جناب میں اپنے ''اتقا'' کی وجہ سے ''مکرم'' اور اپنے کسب حلال کی وجہ سے ''حبیب'' ہیں۔

خاکساران جہاں را بہ حقارت منگر
تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

اسلام وہ چشمۂ فیض ہے کہ بلاتمیز قومیت و رنگت سب کے لیے وقف ہے۔ عورت، مرد، خورد کلاں، امیر غریب، سید مغل، اسلام نے دینی و دنیوی نافع و کارآمد علوم کی تحصیل سب کے لئے لازم کر دی ہے۔ اس لئے کہ ع بے علم نتواں خدا را شناخت علم کو کسی خاص فرقہ خاص شخص، خاص قوم، خاص خاندان یا کسی خاص ملک کی میراث نہیں بنایا۔

اوّل تو کسی کتاب۔ کسی تاریخ۔ کسی تذکرہ میں یہ ذکر نہیں ہے کہ مولانا عبدالحکیم

Marfat.com

جلاہ یا بافندہ تھے۔ لیکن اگر تھے بھی۔ تو بھی جیسا کہ سطور بالا میں ذکر کیا گیا ہے۔ وہ فخر کا باعث تھے۔ اُن کی ذات اس قابل ہے کہ اس کو خضر راہ بنایا جائے۔ اور لوگوں کو دکھا دیا جائے کہ اگر ایسے لوگوں کو جو کس مپرسی کی حالت میں ہیں۔ اور جو اپنی ناداری و کم مائیگی کی وجہ سے اپنی ترقی وشہرت کے ظاہری اسباب سے محروم ہیں۔ ذرا سی بھی جرأت دلائی جائے یا ان کو اظہار قابلیت کا موقع دیا جائے۔ تو وہ کس طرح زمین سے آسمان۔ فرش سے عرش۔ تانبہ سے سونا۔ خاک سے کیمیا اور ذرہ سے آفتاب بن سکتے ہیں۔

ذرۃ کا بھی چمکے گا ستارہ　　　　قائم جو زمین و آسماں ہیں

مولانا کے ایک ہم جماعت نواب سعد اللہ خاں تھے۔ جو چنیوٹ کے ایک معمولی زمیندار کے لڑکے تھے۔ لیکن جب ان کے دل و دماغ نے قوت حاصل کی۔ ان کی ذہانت و ذکاوت کے جوہر کھلے۔ اُن کے استاد مولانا کمالؔ نے ان کی تعلیم و تدریس میں خاص دلچسپی لی۔ تو وہ اپنے زمانہ کے علامی وفہامی کہلائے بلکہ شہنشاہ شاہجہان کے دستور معظم بنے۔ اور بادشاہ کی نظروں میں یہاں تک قرب و اقتدار حاصل کیا کہ دارا شکوہ جو ولی عہد اور بادشاہ کا سب سے پیارا بیٹا تھا اس کو اپنا مدمقابل سمجھتا اور اس سے خوف کھاتا تھا۔

مولانا ایک غریب خاندان میں پیدا ہونے کی وجہ سے ابتداء میں چونکہ گمنام اور غیر معروف تھے۔ اس لئے ان کے سال پیدائش کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی۔ البتہ اتنا تذکرہ ضرور آیا ہے کہ عمر بڑی پائی ہے۔ اور انہوں نے اکبر۔ جہانگیر اور شاہجہانؔ کا زمانہ دیکھا ہے۔

اب مجبوراً ہمیں ان کا سال پیدائش دیکھنے کے لیے کسی قدر قیاسات سے کام لینا پڑے گا۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے ہم سبق تھے۔ اور

Marfat.com

ہم مکتبی بلکہ فارغ التحصیل ہونے کے زمانہ میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی عمر بقول صاحب سالک السالکین سترہ (۱۷) سال کی تھی۔ اور ہم مکتب دہم درس ہونے کی وجہ سے غالب قیاس ہے۔ کہ ہم عمر ہوں یا زیادہ سے زیادہ دو چار سال کا فرق ہو۔ بلکہ اس خیال سے کہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ ان کا بہت ادب واحترام کرتے تھے یہ بھی گمان ہوتا ہے کہ مولانا شاید عمر میں چند سال اُن سے بڑے ہی ہوں۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ بزمانہ شہنشاہ اکبر (۹۶۳ھ لغایت ۱۰۱۴ھ) ۹۷۱ھ میں پیدا ہوئے۔ اگر مولانا عبدالحکیم کو حضرت مجددؒ سے چار سال بھی بڑا سمجھا جائے تو ان کا سال پیدائش ۹۶۸ھ نکلتا ہے یہ وہ زمانہ تھا کہ اکبر کو تخت ہندوستان پر مسند نشین ہوئے صرف چھٹا سال گذر رہا تھا۔

مولانا کی پرورش اور تربیت اسی طرح ہوئی جس طرح غریب والدین کے بیٹوں کی ہوتی ہے۔

ان کی پیشانی سے ستارۂ بلندی کی جھلک ضرور دکھائی دیتی تھی۔ لیکن اُن کی غربت اس پر پردہ ڈالے ہوئے تھی۔ اور سوائے اس عالم الغیب کے کوئی متنفس ان کے شاندار مستقبل اور ان کی لازوال شہرت سے آگاہ نہ تھا۔

فاضل سیالکوٹی کا اُستاد

اکبر نے جب سنہ میں کشمیر کو سلطنت ہند کے ساتھ ملحق کر لیا تو وہاں مغل گورنر مقرر ہونے لگے۔ جن کو ناظم یا صوبہ کہتے تھے۔ اُسی زمانہ میں کشمیر کے ایک جید عالم کسی بات پر اکبری گورنر سے ناراض ہو کر سیالکوٹ چلے آئے۔ جہاں ان کے کئی ہم وطن اس زمانہ سے موجود تھے۔ جب تاتار خاں حاکم لاہور تھا اور ہندوستان کا تخت شیر شاہ سوری کے پاؤں

Marfat.com

چوم رہا تھا۔اور کشمیر کے شیعہ چک بادشاہ علمائے اہل سنت سے اسقدر ظلم وتعصب سے پیش آرہے رہتے۔ کہ کئی سنی مسلمان ظلم وجبر برداشت نہ کر کے جلاوطنی پر مجبور ہو جاتے تھے۔

اس جید عالم اور اس فاضل بزرگ کا نام مولانا کمال الدین تھا۔ سیالکوٹ اس وقت راجہ مان سنگھ کی جاگیر میں تھا۔اس کا کاردار بڑی عزت سے پیش آیا اور عوام الناس اور خصوصاان کے ہموطنوں نے مولانا کمال الدین کے آنے پر بڑی خوشی ظاہر کی۔

کشمیر کی تاریخوں میں مولانا کمالؔ کے تفصیلی حالات درج ہیں۔ ان کا کچھ خلاصہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔

مولانا کمال الدین مولانا جمال الدین کے بھائی اور حضرت بابا فتح اللہ حقانیؒ کے مرید وداماد تھے۔خواجہ عبدالشہید احراری نقشبندی کے ارادت یافتہ بھی تھے۔انہی دو بزرگوں کی فیض صحبت اور توجہ ظاہری و باطنی سے ''علامہ مشرقین'' اور ''معلم ثقلین'' مشہور تھے۔

مولانا داؤد مشکواتی اسرارالابرار میں آپ کے حالات میں لکھتے ہیں:

جن وانس اندر تعلم پیش آن آگاہ بود

بوٗ رضا ملا کمال الدین ازیں درگاہ بود

کشمیر کے بہت سے تذکروں میں لکھا ہے کہ مولانا کو عالم جنات پر بھی فتوحات حاصل تھیں۔ ہم صرف اسرار الابرار سے کہ عہد شاہجہان کی تصنیف ہے اور اس کے مصنف بابا داؤد مشکواتی نے مولانا کمال کے ایک شاگرد سے ملاقات کی ہے ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہیں۔

بابا داؤد مشکواتی لکھتے ہیں۔ میں ایک مرتبہ اپنے پیر کی خدمت میں تبت کے ملک میں تھا۔ وہاں مولانا کمال الدین کے ایک شاگرد سے ملاقات ہوئی جس نے مولانا کمال کے کمال کی بہت سی باتیں بیان کیں۔اس نے بیان کیا کہ میں مولانا کمال کے مدرسۂ لاہور

Marfat.com

میں پڑھتا تھا۔ محمد رضا کہ اپنی حکمت و دانائی اور اپنے تجر علم کی وجہ سے حکیم دانا کے نام سے زیادہ مشہور تھے۔ مولانا کے فرزند تھے۔ اور میرے ہم سبق۔ مولانا ہم سب کو درس دے رہے تھے کہ ایک مرد نورانی نے مولانا کی خدمت میں آ کر تعلیم کی خواہش ظاہر کی۔ مولانا نے بخوشی قبول فرمایا۔ چونکہ اس شخص سے پہلے کسی کی ملاقات نہ تھی۔ بلکہ کسی نے اس کو دیکھا تک بھی نہ تھا۔ اور اس کے چہرہ سے سفر و کوفت کے آثار بھی ظاہر نہ تھے بلکہ چہرے سے ایک نور برس رہا تھا۔ اس لیے طلباء نے تعجب سے اس کا وطن وغیرہ پوچھا۔ اور سفر کی کیفیت دریافت کی۔ مولانا کو خبر ہوئی۔ انہوں نے طلباء کو دریافت حالات اور استفسارات سے منع فرمایا چونکہ انسان حریص ہے۔ خصوصاً جس بات سے اس کو منع کیا جائے اس کی خواہش اس کو زیادہ ہوتی ہے۔ اس لیے ہم سب نے درس کے بعد اس کو گھیر لیا۔ اور اس سے پھر وہی استفسار کیا۔

ہمارے استفسارات سے تنگ آ کر اُس مرد نورانی نے ایک جست لگائی۔ اور مدرسہ کی دیوار کو ایک ہی چھلانگ میں طے کر گیا۔ ہم سب انگشت بدنداں رہ گئے۔ اور ہمت کر کے اس کے پیچھے دوڑے۔ دیکھا۔ کہ ایک گڑھے میں جہاں چند پاک و تازہ ہڈیاں بھی موجود تھیں۔ بیٹھا ہوا کتاب کا مطالعہ کر رہا ہے۔ جب ہم وہاں پہنچے۔ تو اس نے خفگی کے لہجہ میں کہا تم نے کیوں ایسا کام کیا۔ کہ مجھ کو ایسے قابل استاد کی صحبت سے محروم ہونا پڑا۔ ہم نے کہا ہم تمہارا راز کبھی افشاں کریں گے۔ تم استاد کی صحبت ترک نہ کرو۔ اس نے کہا۔ ہمارے آدلمبٔ ورسوم کے یہ خلاف ہے کہ جہاں ہمارا راز ظاہر ہو جائے وہاں ہم اپنی بود و باش رکھیں یہ کہہ کر وہ پھر ایسا غائب ہوا کہ کبھی اس کی صورت نظر نہ آئی۔

جب اس واقعہ کا علم مولانا کمال کو ہوا۔ تو انہوں نے فرمایا۔ میں نے تم کو اسی خیال سے منع کیا تھا کہ ایک مومن بھائی کو تکلیف دینا حرام ہے۔ مگر تم لوگوں نے میرا کہنا نہ مانا۔

Marfat.com

مولانا کمال کے شاگرد کے اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ علاوہ سیالکوٹ کے مولانا لاہور میں بھی ایک درسگاہ رکھتے تھے۔ اور یہ کہ لوگ دُور دُور سے حصول علم کے لیے کھچے چلے آتے تھے۔

شیر شاہ سوری کے زمانہ سے لیکر اکبر کے ابتدائی عہد تک میاں وارث کشمیری سیالکوٹ کا ایک نامور مالگذار اور جاگیر دار گذرا ہے۔ مولانا کمال الدین نے ان کی علیشان مسجد میں قرآن۔ حدیث اور دیگر علوم کا درس جاری کیا۔ جہاں علوم کے پیاسے جوق در جوق آ کر سیراب ہونے لگے۔ مولانا کے فیض صحبت اور تعلیم کی برکت سے فقہ، حدیث، تفسیر اور منطق و فلسفہ میں ایسے ایسے نامور لوگ پیدا ہوئے کہ مولانا کے کمال کی چاروں طرف شہرت ہوگئی۔ جن شاگردوں نے استاد کا نام روشن کیا۔ ان میں ایک مولانا عبدالحکیم بھی تھے۔

تاریخ سیالکوٹ میں جو دوسری تاریخوں کی نسبت واقعات سیالکوٹ کے لحاظ سے زیادہ معتبر ہونی چاہیئے تھی۔ مولانا عبدالحکیم کے اُستاد کا نام ''عبدالکریم'' درج ہے۔ حالانکہ دیگر تمام قدیم و جدید تذکرے ان کا نام مولانا کمال الدین بتارہے ہیں۔ جو صحیح درست ہے۔ مولانا کمال کا سنہ وفات ۱۰۱۷ھ بعہد جہانگیر بتایا جاتا ہے۔ آپ نے سیالکوٹ میں انتقال فرمایا۔ مگر اب مزار کا کچھ پتا نہیں چلتا۔

آپ کے بھائی مولانا جمال الدین کا تھوڑا سا تذکرہ بھی یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ ان کا بھی عالم جنات سے تعلق رہا ہے۔ اور مولانا عبدالحکیم بھی اس عالم سے روشناس رہے ہیں۔

شیخ نصیرالدین ابوالفقراء کہ کشمیر کے نامور صوفیاء میں درجہ اختصاص رکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔ ملا جمال الدین پرہیز گار وقت متقی زمانہ اور علم و فضل کا خزانہ تھے۔ بابا فتح اللہ

Marfat.com

حقانی کے مریدوں میں تھے۔ میں نے علم حدیث انہی سے اکتساب کیا ہے اور انہی ء سے سند حدیث حاصل کی ہے۔ حضرت شیخ نورالدین ولیؒ کے مزار پر اکثر جاتے تھے۔ میں نے ایک مرتبہ اس شدت کثرت کا سبب پوچھا۔ تو فرمایا۔ ایک مرتبہ رسول خداﷺ عالم خواب میں تشریف لائے۔ میں نے دیکھا کہ حضرت شیخ ان کے پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آنحضرتﷺ نے شیخ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ جمال! تو اس کو پہچانتا ہے۔ اس نے وہ کام کئے ہیں کہ کوئی شخص ان کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ وہ دن ہے اور آج کا دن۔ اس زیارت پر میری برابر آمدورفت ہے۔

بابا داوٗد مشکوٰتی اسرار الابرار میں لکھتے ہیں۔ قاضی ابوالقاسم کہ مولانا جمال الدین کے خلف اور اکابر علماء سے تھے۔ اور مجھ مسکین کے استاد۔ وہ ایک دن لکڑی کاٹنے کے لیے ایک درخت پر چڑھے۔ درخت بڑا قدآور تھا۔ اور ایک جن کا مسکن تھا۔ درخت پر بڑی مشکل سے ضرب پڑتی تھی۔ جن کو جب تکلیف پہنچی تو وہ آدمی کی شکل اختیار کر کے مولانا کی خدمت میں آیا۔ اور اپنی تکلیف بیان کی۔ مولانا نے اپنے صاحبزادہ کو اس کام سے منع فرمادیا۔

مولانا گوشت بالکل نہیں کھاتے تھے۔ البتہ کبھی کبھی وہ بھی بہت مدت کے بعد تھوڑا سا شوربہ پی لیتے تھے۔ سوائے موٹے پٹو کے ایک لمبے کرتہ کے جس کو کشمیر میں پھرن کہتے ہیں۔ کوئی اور لباس نہیں پہنتے تھے۔ بوریے پر کسی قسم کا فرش نہیں بچھاتے تھے۔ نہ بچھانے کی اجازت دیتے تھے۔ فرماتے تھے۔ جس شخص نے اپنے نفس کو قابو میں رکھا وہ سلطان جمیع اجسام ہے۔ یہ شعر اکثر پڑھا کرتے تھے

ہر کہ رادر کار حق انجام شد　　　کارِ اُو در جملہ اجسام شد

سری نگر میں کہ کشمیر کا دارالخلافہ ہے۔ انتقال فرمایا۔

Marfat.com

علامہ عبدالحکیم کے ہم مکتب

سیالکوٹ اور سیالکوٹ کی ''مسجد میاں وارث'' کو جو کشمیری محلہ میں ابھی تک موجود ہے۔ یہ شرف رہا ہے کہ وہاں نہ صرف مولوی عبدالحکیم صاحب جیسی علامہ روزگار ہی پڑھتے رہے ہیں بلکہ نواب سعد اللہ خان وزیر اعظم شاہجہان اور حضرت شیخ احمدؒ سرہندی مجدد الف ثانی بھی پڑھتے رہے ہیں۔

''آثار خیر'' میں لکھا ہے ''ملا عبدالحکیم سیالکوٹی جن کا ہندوستان کے مشہور علماء وفضلاء میں شمار ہوتا ہے۔ علامہ سعد اللہ خاں کے ساتھ ملا کمال کشمیری سیالکوٹی سے پڑھتے تھے۔ سعد اللہ خاں سبق میں ان سے پیچھے تھے۔ مگر قسمت کے معاملہ میں ان سے زیادہ پیش قدم نکلے۔ اور علامی کے خطاب سے موصوف ہو کر بڑھتے بڑھتے شاہجہان کے وزیر ہو گئے''۔

صاحب مسالکین۔ آثار خیر۔ تاریخ سیالکوٹ صمدی۔ روضہ قیومیہ اور صاحب زبدۃ المقامات نے جو حضرت مجدد الف ثانیؒ کے عقیدتمندوں میں تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی کو مولانا عبدالحکیم کا ہم مکتب اور مولانا کمال کا شاگرد بتایا ہے۔

تاریخ کپورتھلہ میں جو ایک ضخیم سرکاری تاریخ ہے۔ میری نظر سے مولانا کمال کا ایک اور نامور شاگرد بھی گزرا ہے۔ جس کا نام اخوند عبداللطیف تھا۔ اخوند صاحبؒ سلطان پور ریاست کپورتھلہ کے رہنے والے تھے۔ تاریخ مذکور میں لکھا ہے۔ سعد اللہ خاں وزیر شاہجہان کے ساتھ اخوند عبداللطیف نے بمقام سیالکوٹ ایک ہی مدرسہ میں تعلیم پائی تھی شاہجہان نے ایک مرتبہ شاہزادوں کی تعلیم کے لیے آپ کو دہلی بلوا بھیجا۔ مگر آپ نے انکار کر دیا۔ بادشاہ نے زیادہ تکلیف دینی مناسب نہ سمجھی اور شاہزادوں کو بمقام سلطان پور اخوند صاحب کی خدمت میں بغرض حصول تعلیم بھیجدیا۔ جہاں شاہزادے کچھ عرصہ تک زیر تعلیم رہے۔

Marfat.com

مولانا کمال کی درسگاہوں سے صدہا بلکہ ہزارہا طالبان علم دستار فضیلت لے کر نکلے ہوں گے۔ مگر مندرجہ ذیل صاحب کمال تین شاگردوں علامہ عبدالحکیم، حضرت مجدد الف ثانیؒ اور علامی وفہامی نواب سعد اللہ خانؒ نے تو واقعی استاد کے نام کو بقائے دوام کا خلعت پہنا دیا۔

مولانا عبدالحکیم کے دونوں یگانہ دہر۔ ہم مکتبوں کا ذکر آیا ہے تو خیال بے اختیار عمر خیامؒ نیشا پوری کے دونوں جلیل القدر ہم مکتبوں کی طرف منتقل ہو گیا ہے جن میں ایک شاہان سلجوق کا نامور وزیر بنا۔ جس کا نام نظام الملک طوسی تھا۔ اور ایک نے نیا مذہب باطنیہؒ ایجاد کیا۔ اور جس کی کئی پشتوں میں بادشاہی دور دورہ رہا۔ اس کا نام حسنؒ بن صباح تھا۔ خود عمر خیام اعلیٰ درجہ کا فلسفی شاعر تھا۔ جس کی رباعیات اب تک مقبول عام ہیں۔

مولانا عبدالحکیم کے ہم مکتب بھی کچھ کم مشہور نہیں ہوئے۔ سعد اللہ خاںؒ نواب کہلایا ہفت ہزاری ہفت ہزار سوار کا منصب دار بنا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ پھٹے پرانے بوریئے پر بیٹھے والا۔ صاحب قران شاہجہان کا دستور معظم بنا۔ حضرت شیخ احمد سرہندی نے تو ظاہری و باطنی علوم میں وہ عروج حاصل کیا کہ بڑے بڑے شہنشاہ ان کی چوکھٹ کی جبہ سائی کرتے رہے۔ آپ نے تصوف و طریقت کو دوکاندار صوفیوں سے ایسا صاف کیا کہ طریقت و شریعت میں کوئی فرق نہ رہا۔ لاکھوں اور کروڑوں مسلمان اب بھی آپ کی قبر کی زیارت کے لیے سرہند تشریف لے جاتے ہیں۔ عمر خیام نے اگر شاعری میں شہرت حاصل کی تو مولوی عبدالحکیم نے منطق۔ فقہ۔ حدیث۔ تفسیر میں نام پیدا کیا کہ ہندوستان کے علاوہ مصرؒ، قسطنطنیہؒ، حجازؒ، بخاراؒ، مراکش (حضرت شاہ صاحب قبلہ علیپوری نے ایک مرتبہ بمقام لاہور فرمایا کہ ہم ایام حج میں مقام نیبوع میں تھے چند مراکش مشائخ اپنے خیمہ ڈیرہ سے نکل کر اور یہ سن کر کہ میں شیخ ہندی کے پاس آئے اور پوچھا کیا تم ہندی ہو؟ میں نے

Marfat.com

کہا۔ ہاں۔ مراکشی شیخ نے پوچھا۔ کیا سیلکوٹ (سیالکوٹ) کو بھی جانتے ہو؟ میں نے کہا وہ تو میرا وطن ہے۔ پھر کہا۔ مولائے عبدالحکیم سیلکوٹی تمہارے ہم وطن تھے؟ میں نے کہا۔ ہاں یہ کہہ کر فرط محبت وشوق سے تمام مشائخ یکے بعد دیگرے مجھ سے بغلگیر ہوتے رہے۔ تک ان کا نام مشہور رہے۔

آخر کبھی کسی نے غور بھی کیا؟ کہ مسجدوں کے ٹوٹے پھوٹے بوریوں اور پھٹی پرانی چٹائیوں پر بیٹھنے بلکہ سونے والے۔ ہاتھوں اور کتابوں بلکہ اینٹوں کا سرہانہ بنانے والے۔ پھٹے ہوئے کپڑے بلکہ چیتھڑے پہننے والے۔ اس زمانہ میں جبکہ ریل گاڑی نہ تھی۔ موٹریں اور فٹنیں نہ تھیں۔ رستے ایسے پرامن نہ تھے۔ رشتہ داروں سے، عزیزوں سے، اپنے وطن سے جدا ہوتے تھے۔ اور جب مسجدوں کے حجروں سے جہاں موجودہ روشنی کے زمانہ میں نئے تعلیم یافتہ اگر آ جائیں تو شائد انکا دم گھٹنے لگے۔ ان چھوٹی چھوٹی کوٹھڑیوں سے جن کو شائد موجودہ زمانہ میں بلیک ہول کہہ سکتے ہیں نکلتے تھے۔ تو کیوں ان کو علامۂ زمان۔ فہامۂ دوران فقیہہ فاضل، محدث کامل، قلب الاقطاب اور جامع علوم ظاہری و باطنی کے خطابات ملتے تھے۔ کیا وجہ تھی کہ لوگ دیوانہ وار ان کے پاس آتے تھے۔ ان کے پیچھے دوڑتے تھے۔ اور ان کی ادنیٰ سی ادنیٰ خدمت کو بھی فخر کا باعث بلکہ ''حاصل زندگانی'' سمجھتے تھے۔

ملا کمال بے یارومددگار اپنے ملک (کشمیر) سے نکلتا ہے۔ لیکن جب وہ پنجاب میں آتا ہے تو لوگ اسے آنکھوں پر بٹھاتے ہیں۔ حاکم اس کا ادب کرتے ہیں۔ زبان الگ ملک الگ۔ لباس اور طرز معاشرت الگ۔ لیکن خلقت ہے کہ جوق در جوق اس کے پاس آتی ہے۔ ادبائے وقت اور فضلائے عصر اسے ''محقق سیالکوٹی'' بلکہ ''علامہ مشرقین'' کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں!

سعداللہ جو پھٹے پرانے کپڑوں کے ساتھ اپنے وطن چنیوٹ سے باہر نکلتا ہے۔

Marfat.com

لاہور اور سیالکوٹ میں حصول تعلیم کے بعد شاہجہان جیسے عظیم القدر شہنشاہ کا وزیر ہوتا ہے۔ جس کی حضوری و حاضری کے لئے بڑے بڑے راجے۔ مہاراجے اور نواب اور صوبیدار اور جاگیردار پہروں کھڑے رہتے تھے۔

شیخ احمد سرہندی جب فارغ التحصیل ہو کر مسجدوں کے حجروں اور معمولی سے درس گاہوں سے باہر نکلتے ہیں تو علامہ ابوالفضل اور ملک الشعرائے فیضی جن سے بڑھ کر عہد اکبری میں کسی کو تقرب شاہی حاصل نہ تھا۔ ان سے ملاقات کرنا۔ اور ان کے پاس جانا باعث عزت سمجھتے تھے۔ اور جب دنیا ان کے کمالات سے آگاہ ہوتی ہے تو اسی شیخ احمد سرہندی کو زبان خلق سے سلطان طریقت۔ برہان حقیقت۔ امام الشریعت۔ حضرت مجدد الف ثانی اور فضائے آسمانی سے خزینۃ الرحمت کے خطابات ملتے ہیں۔

آخر کیا وجہ تھی؟ کیا سبب تھا؟ کہ زمانہ سابق میں معمولی لوگ غیر معمولی طور پر عزت و شہرت اور علم و فضل میں کمال حاصل کر لیتے تھے۔ ان کو سامان آرائش و راحت بھی میسر نہ تھے۔ بلکہ بعض حالات میں تو گدائی کر کے شکم پری کرنی پڑتی تھی۔ وہ ایثار و اخلاص۔ وہ حقیقی تڑپ جو شارع اسلام نے ہم کو بتائی ہے کہاں ہے؟ کس جگہ ہے؟ اور کس طرف ہے؟ اسی ایثار و اخلاص اور اسلام کی اسی حقیقی تڑپ کے نہ ہونے سے ہمارا وہ حال ہے کہ خود ہمیں ہی اپنے حال پر کہنا پڑتا ہے

ع   اللہ برا حال ہوا ایسا نہ کسی کا

نواب سعد اللہ خاں ہندوستان کے وزیر اعظم ہوں۔ شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کہلائیں۔ مولانا عبدالحکیم علامہ و فہامی مشہور ہوں اور تینوں ہم مکتب رہیں اور پھر ان کی باہمی خط و کتابت۔ علمی بحث مباحثہ۔ شریعت و طریقت۔ منطق و فلسفہ اور فقہ و حدیث کے رُموز و نکات کے انکشافات سے دنیا بے خبر ہو! کس قدر افسوس و حسرت کا مقام ہے ان

Marfat.com

تینوں یگانہ روزگار ہم مکتبوں میں سے صرف حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات شریف محفوظ ہیں یا بعض ایسی کتب موجود ہیں جن میں حضرت مجدد الف ثانی اور ان کے خلفاء وغیرہ کے حالات بکثرت پائے جاتے ہیں۔ باقی دونوں اصحاب کے ملفوظات کا کوئی پتہ نہیں ہے۔ ایام طالب علمی میں جو لطیف علمی بحث آپس میں ہوتی ہوگی۔ اور مولانا کمال جیسا باکمال استاد جس ترکیب سے علمی دقائق کی موشگافیاں کرتا ہوگا۔ کاش ان کا پتہ چل سکتا!

☆☆☆

Marfat.com

مولانا عبدالحکیم اور حضرت مجدد الف ثانی

علامہ عبدالحکیم اور حضرت مجدد الف ثانی کے باہمی تعلقات کی کچھ کیفیت زبدۃ المقامات اور روضۂ قیومیہ سے معلوم ہوتی ہے۔ ہم دونوں کا خلاصہ یہاں درج کر کے دونوں نامور ہم مکتبوں کے باہمی تعلقات پر روشنی ڈالنے سے پہلے حضرت مجدد کے مختصر سے ابتدائی حالات بھی لکھتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ ۱۴ رشوال ۹۷۱ھ کو بمقام سرہند پیدا ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ اکبر ابھی اسلام اور علمائے اسلام سے برگشتہ نہیں ہوا تھا۔ بلکہ بقول صاحب دربار اکبری وہ مسجدوں میں اپنے ہاتھ سے جھاڑو دیتا۔ نمازیں پڑھتا اور علمائے اسلام کی عزت و توقیر میں کوئی کمی نہ کرتا تھا۔ ملا عبدالقادر بدایونی اس کا پیش امام تھا۔ اور علماء و صلحاء کا جمگھٹا اس کے گرد رہتا تھا۔

اکبر ۹۶۳ھ میں تخت پر بیٹھا۔ اور اٹھارہ سال یعنی ۹۸۱ھ تک وہ ایک خالص مسلمان بادشاہ کی حیثیت سے ہندوستان پر فرمانروائی کرتا رہا۔ اس کے بعد جب اس کے دربار میں ابوالفضل۔ ملک الشعراء فیضی۔ راجہ بیربر۔ ٹوڈرمل اور دوسرے لوگ آتے ہیں اور اپنی ملکی مصلحتوں سے اور اپنے منطق و فلسفہ کے زور سے اس کے دین و ایمان کو متزلزل کرتے ہیں تو ہندوستان میں اسلام کی حالت ضعیف و ناگفتہ بہ ہو جاتی ہے۔

اکبر اپنی ملکی مصلحتوں اور اپنی ہندو رانیوں کے پاس خاطر سے زنار پہنتا ہے۔ بت خانوں میں جاتا ہے۔ ڈاڑھی منڈا ڈالتا ہے۔ کبھی کبھی پیشانی پر قشقہ بھی لگا لیتا ہے۔ ہندوؤں کی مذہبی رسومات میں شرکت کرتا ہے۔ درباری آداب کی ابتداء سجدہ سے ہوتی ہے۔ اور نہ صرف یہی بلکہ مسلمانوں کا۔ ان کے مذہب کا اور عالمان دین کا مذاق اڑایا جاتا۔ اور اُن پر

Marfat.com

استہزاء کیا جاتا ہے۔الحاد وفلسفہ کی کتابیں تحریر کی جاتی ہیں۔علماء وصلحائے عصر۔ابوالفضل وفیضی کے عروج واقبال کے سامنے خاموش۔اوراہل دین گرداب حیرت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

۹۸۷ھ تک آپ نے اپنے والد ماجد مخدوم عبدالاحد سے تحصیل علوم کی۔ پھر سیالکوٹ جا کر مولانا کمال کاشمیری سے جو محقق ومدقق علامہ روزگار عابد وزاہد تھے۔معقولات کی کتابیں جن میں مولانا ممتاز تھے۔نہایت تحقیق وتدقیق سے پڑھیں اور حدیث کی سند مولانا یعقوب صرفی کاشمیری سے جو شیخ خوارزمی کبرویؒ کے خلیفہ اعظم اور اپنے زمانہ کے محدث اعظم تھے......حاصل کی۔ بلکہ سلسلہ کبروی میں آپ مولانا صرفی کے مرید ہوئے۔

یہ تمام علوم آپ نے ۲۱ سال یعنی سن بلوغت سے قبل ہی حاصل کر لئے۔ یا دوسرے الفاظ میں ۹۹۲ھ میں آپ تمام ظاہری علوم سے فارغ ہو گئے۔اور واپس آ کر سرہند ہی میں اپنے والد ماجد کے حضور میں طلباء کو درس دینے لگے۔

آپ نے ابوالفضل اور فیضی سے آگرہ میں کئی ملاقاتیں کی ہیں۔اور علوم فلسفہ پر ان سے کئی مرتبہ بحث کی ہے۔ بلکہ انہی مناظروں کی بنا پر ایک کتاب بھی اثبات نبوت کے نام سے لکھی ہے۔ ابوالفضل وغیرہ نہ صرف فرشتوں کے وجود سے منکر تھے بلکہ اُن کو آنحضرت ﷺ کی نبوت پر بھی یقین نہ تھا۔ اسلام کے لئے یہ بڑا نازک زمانہ تھا۔حضرت مجدد صاحب نے احیائے سنت وشریعت کے لیے نہ وزیر کی پرواہ کی نہ بادشاہ کی۔ جو کچھ اللہ اور اللہ کے رسول نے فرمایا ہے اس کا برملا ذکر کرتے رہے۔آپ کو تکلیفیں بھی پہنچیں۔ بلکہ جہانگیر کے زمانہ میں بعض بدبیں حاسدوں کی وجہ سے گوالیار کے قلعہ میں قید بھی رہے۔مگر اظہار حق اور اشاعت سنت واتباع شریعت کے معاملات میں کسی سے نہ ڈرے۔آخر جہانگیر نے معافی مانگی۔شاہجہان (شاہزادہ خرم) مرید ہوا۔اور دوسرے کئی علماء اور امرائے دربار نے آپ نے بیعت کی۔آخر ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ کو بزمانہ جہانگیر آپ وفات پا گئے۔

Marfat.com

تجدید الف وقیومیت کا بارہواں سال تھا۔ اور سنہ ہجری ایک ہزار بائیس منزلیں طے کر چکی تھی کہ مولوی عبدالحکیم اور حضرت مجددؒ میں زمانہ طالب علمی کے تیس سال بعد از سر نو تعلقات قائم ہوئے۔ اس طویل عرصہ میں دونوں نامور ہم مکتبوں کی شہرت دور دراز ملکوں تک پہنچ چکی تھی۔ مولانا عبدالحکیم جاگیردار ہو چکے تھے۔ اور ان کے علم کلام۔ علم منطق و فلسفہ اور تفسیر و حدیث کی دھوم مسجد کے حجروں سے نکل کر امراء کے مکانوں۔ وزراء کے ایوانوں اور بادشاہ کے فلک نما محلوں تک جا پہنچی تھی۔ اور حضرت شیخ احمد سرہندی امام الشریعت۔ قیوم اول اور مجدد الف ثانی کے خطابات سے ممتاز تھے۔ اور سرہند صرف آپ کے دم قدم کی وجہ سے علم و فضل۔ علمائے عصر اور عابد لوگوں کا ایک مرکز ہو گیا تھا۔

۱۰۲۲ھ کا واقعہ ہے کہ مولانا کا ایک شاگرد جو تمام شاگردوں سے لائق۔ ذکی اور ذہین تھا۔ اور مولوی صاحب بھی اس کی رسائیٔ طبیعت کی وجہ سے اس کو تمام شاگردوں سے عزیز سمجھتے تھے۔ اتفاقاً ایک مرتبہ متواتر چند یوم تک درس میں نہ آیا۔ مولوی صاحب نے ایک آدمی خبر کے لئے اور متواتر غیر حاضری کی وجہ دریافت کرنے کے لئے بھیجا۔ وہ شاگرد اسی وقت حاضر خدمت ہوا۔ اور کہنے لگا۔ اس مسلسل غیر حاضری کی وجہ یہ تھی کہ چند ورق میرے ہاتھ لگے ہیں اُن کے مطالعہ نے ایسی لذت دی اور ایسا استغراق پیدا کیا ہے کہ کسی اور کتاب کی طرف جی نہیں چاہتا۔ ساتھ ہی وہ چند اوراق نکال کر مولوی صاحب کو دیئے اور کہا کہ آپ بھی ملاحظہ فرمائیے۔ جب مولانا نے ان اوراق کا مطالعہ کیا تو اس میں ایسا کلام درج پایا جس کے علوم و معارف بالکل نئے اور شریعت عزا کے عین مطابق تھے۔ مولوی صاحب نے پوچھا یہ کس بزرگ کا کلام ہے۔ ایک شخص نے جو پاس ہی بیٹھا تھا اور سرہند میں حضرت مجدد صاحب کی مجلسوں میں شامل رہ چکا تھا کہا یہ کلام حضرت مجدد الف ثانیؒ کا ہے۔

اس دن سے مولوی عبدالحکیم کو حضرت مجدد الف ثانیؒ کے علوم و معارف کے

Marfat.com

مطالعہ سے وہ لذت ملی کہ حضرت کی ذات خاص سے آپ کو دلی اعتقاد پیدا ہو گیا۔ اس واقعہ کو ابھی چند یوم ہی گذرے تھے کہ مولوی صاحب نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کو خواب میں دیکھا کہ وہ مولوی صاحب سے قرآن کی یہ آیت فرمار ہے ہیں۔ ''قل اللہ ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون'' مولوی صاحب جب خواب سے بیدار ہوئے تو دیکھا کہ سینہ کے اندر ایک نور برس رہا ہے۔ دل ہے کہ خود بخود ذکر کر رہا ہے۔ اور حالت یہ ہے کہ سارے بدن پر اس کا اثر محسوس ہو رہا ہے۔ دعا و توجہ کے لئے حضرت کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا۔ اور لوگوں سے کہنے لگے میں حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی کا رویسی ہوں۔

خواجہ ہاشم مصنف زبدۃ المقامات لکھتے ہیں۔ ایک روز حضرت قیوم اول کی مجلس میں تمام مرید حاضر تھے۔ وہاں ذکر چھڑا کہ آنجناب کی تجدید الف اور قیومیت ہم لوگوں پر تو اظہر من الشمس ہے۔ لیکن اگر کوئی عالم جو علمائے عصر میں مرتبہ بلند رکھتا ہو اور جس کی سند کو سب لوگ تسلیم کر لیں اس امر کی تائید کرے تو بہت اچھا ہو۔ خواجہ ہاشم جو مولانا محمد الہاشم کشمی کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ لکھتے ہیں میں نے خود یہ الفاظ اپنی زبان سے حضرت قیوم اول کی خدمت میں عرض کئے۔ فرمایا مولوی عبدالحکیم سیالکوٹی کو جانتے ہو۔ آج اہل علم میں ان کا کیسا مرتبہ ہے؟ سب نے بالاتفاق عرض کیا۔ آج معقول و منقول میں ان کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ وہ یکتائے زمانہ ہیں۔ آنجناب نے فرمایا۔ مولوی صاحب نے میری طرف ایک خط لکھا ہے۔ اسے دیکھو۔ یہ کہہ کر وہ خط ان کے آگے رکھا۔ جب کھولا گیا تو اس میں بہت سے مدحیہ فقرے آنحضرت قیوم اول کے بارہ میں تھے اور انہی میں یہ الفاظ بھی درج تھے۔ ''امام ربانی محبوب سبحانی مجدد الف ثانی''۔ اسی خط میں مولانا نے اپنی خواب کا واقعہ لکھا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ سب سے پہلا خط ہے جو مولوی عبدالحکیم نے حضرت مجدد الف ثانی کو لکھا ہے۔ (روضۃ الادباو روضۃ القیومیہ نے بھی اس خط کی تائید کی ہے۔)

Marfat.com

اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی مولوی عبدالحکیم کا کس قدر احترام کرتے تھے۔ اور ان کے عطا کردہ خطاب مجدد الف ثانی کو آئینی تجدید کی بہترین سند سمجھتے تھے۔ وہ خطاب ایسا مشہور و مقبول ہوا کہ حضرت کے تمام خطابات قیوم اول ''خزینۃ الرحمۃ'' وغیرہ سے اس کو زیادہ شہرت نصیب ہوئی۔ بلکہ بہت لوگ ایسے ہیں جو اس مقبول عالم خطاب مجدد الف ثانی کے مقابلہ میں ان کے اصل نام ''شیخ احمد'' سے بہت کم آگاہ ہیں۔

مولوی عبدالحکیم اور حضرت مجدد الف ثانی کے درمیان ۱۰۲۳ھ یا ۱۰۲۴ھ میں ایک ملاقات بھی ہوئی ہے۔ صاحب زبدۃ المقامات تو لکھتے ہیں مولوی صاحب ''قل اللہ ثم درہم'' کی تفسیر و تعبیر کے لئے خود سیالکوٹ سے سرہند آئے۔ روضۃ القیومیہ میں اس آیت کی تفسیر طلبی کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ ویسے لکھا ہے کہ مولوی صاحب خواب کے اس واقعہ کے بعد حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہوئے۔

حضرت مجدد اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم۔ سب سے بڑے مصنف و شارح اور اپنے قابل ہم مکتب سے بڑے اخلاص سے ملے۔ مولانا بہت دنوں تک سرہند رہے اور جب تک رہے ظاہری و باطنی علوم کی صحبتیں گرم رہیں۔

اسی ملاقات میں مولوی عبدالحکیم نے حضرت مجدد الف ثانی سے بیعت کی۔

مولوی عبدالحکیم نے تجدید الف کے اثبات میں ایک رسالہ بھی ''دلائل التجدید'' کے نام سے لکھا۔ روضیہ قیومیہ میں اس رسالہ کے متعلق لکھا ہے کہ اس میں مولانا نے نہایت قوی دلائل و براہان بیان فرمائے ہیں۔

مولوی عبدالحکیم جب سرہند سے واپس آئے ہیں تو ان کے نام کے ساتھ دوبار قیومیت سے ''آفتاب پنجاب'' (دستہ الادبا) کے خطاب والفاظ کا اضافہ ہو چکا تھا۔ یعنی وہ وجود جو صرف علوم ظاہری کا آفتاب تھا اب باطنی و روحانی فیوضات میں بھی شمس بازغہ ہو کر نکلا۔

Marfat.com

مولوی عبدالحکیم عہد اکبری میں

اکبر کی علمی قدر دانی نے ہندوستان کے علاوہ ایران ۔توران ۔عرب وعجم ۔روم شام اور کشمیر جنت نظیر کے علماء فضلاء اور اہل کمال ہندوستان میں جمع کرر کھے تھے۔آئین اکبری اکبر نامہ اور مولانا آزاد کی کتاب دربار اکبری میں علماء وفضلاء کی ایک طویل فہرست نظر آتی ہے۔مگران میں مولوی عبدالحکیم کا نام کسی جگہ درج نہیں ہے۔جن کی عمر اکبر کے سنہ وفات ۱۰۱۴ھ تک ۴۵۔۴۶ سال کے قریب تھی۔اور جن کی علمی شہرت ہندوستان کے ہر گوشہ میں پر لگا کر اڑ رہی تھی۔

مختلف کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ گوان کی رسائی اکبر کے دربار تک نہ ہوسکی تھی مگروہ اکبر کے عالیشان مدرسہ لاہور میں سرکاری مدرس مقرر ہو گئے تھے۔جہاں صدہا طلباء آپ سے علوم ظاہری حاصل کرتے رہے۔یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کافی مدت تک لاہور میں مقیم رہے ہیں۔بلکہ یہاں تک کہ ”فاضل لاہوری“ کے نام سے مشہور ہو گئے چنانچہ حمداللہ شارح سلم آپ کے قول کو ”قال الفاضل اللاهوری“ لکھ کر بیان کرتا ہے۔ روضۃ الادباء میں بھی آپ کے قیام لاہور کا ذکر ہے اور لکھا ہے۔منطق میں علمائے پورب (صوبجات متحدہ آگرہ واودھ) سے آپ کے اکثر بحث مباحثہ رہتے تھے۔کیا کیا باتیں ہوں گی۔کیا کیا نکات ہوں گے۔کچھ۔ادھر سے دلیلیں کچھ ادھر سے براہان۔ان مناظروں اور مباحثوں کی کیفیتیں کیسی دلچسپ ہوں گی۔اور کن کن کتابوں سے جن کا آج شائد لوگ نام بھی نہ جانتے ہوں اپنے اپنے مطالب کے حوالے دیئے جاتے ہوں گے۔تقریروں میں کیا متانت اور تحریروں میں کیسی مؤدبانہ لطافت ہوتی ہوگی۔ان کا مزا اب صرف عالم خیال ہی میں آسکتا ہے۔

Marfat.com

مولوی عبدالحکیم عہد جہانگیری میں

جب جہانگیر اپنے باپ (اکبر) کے بعد ۱۰۱۴ھ میں) تخت پر بیٹھا تو علماء وفضلاء کی قدردانی میں اس نے اور بھی اضافہ کیا۔ ان کو جاگیریں دیں۔ سانیاں دیں تاکہ یہ لوگ اطمینان قلب سے اشاعت علوم کر سکیں۔ مولوی عبدالحکیم اس زمانہ میں لاہور کی سرکاری درسگاہ میں مدرس اعلیٰ تھے۔ ان کا شہرۂ کمال بھی (معلوم نہیں کس ذریعہ سے؟) جہانگیر تک پہنچا۔ مدد معاش کے نام سے ایک معقول جاگیر مولانا کے نام مقرر ہوگئی۔

جہانگیر کی آپ پر خاص توجہ تھی۔ بادشاہی عنایات کی وجہ سے اب آپ اہل حشمت وصاحب وسعت ہو گئے تھے۔ علمائے ہند مسائل دینیہ میں آپ سے فتاویٰ طلب کرتے اور چونکہ اس زمانہ میں تعلیم بالکل مفت ہوتی تھی۔ اس لئے طلباء آپ کے درس میں دور دور سے آتے اور صاحب علم وفضل ہو کر نکلتے تھے۔

''آثار خیر'' میں عہد جہانگیری کے جن سولہ مسلمان عالموں کا ذکر ہے ان میں ایک نام مولانا عبدالحکیم کا بھی ہے۔ آپ عہد جہانگیر تک لاہور ہی میں قیام فرما رہے ہیں۔ لاہور کے صوفیائے کرام سے آپ نے بہت ملاقاتیں کی ہوں گی۔ مگر تاریخوں سے صرف یہی پتہ چلا ہے کہ حضرت میاں میرؒ سے ملاقات فرمائی ہے۔ جس کی کچھ کیفیت شہزادہ داراشکوہ کی کتاب سکینۃ الاولیاء سے ذیل میں لکھی جاتی ہے۔

ایک دن شہنشاہ جہانگیر حضرت میاں جی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ملا عبدالحکیم بھی ء حاضر خدمت تھے۔ حضرت نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے پاس پہنچنے کے دو طریقے ہیں۔ اول جذبہ کہ جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ یکبارگی بندے کو اپنی طرف کھینچ لیتا اور اس کو واصل بنا لیتا ہے۔ دوسرا سلوک جو ریاضت مجاہدہ اور کسی بزرگ کا دامن پکڑنے سے حاصل ہوسکتا

Marfat.com

ہے۔اس طریق کی تفصیل اس طرح ہے کہ سالک کا پہلا مقام ملکوت ہے۔ جب ریاضت کے زور سے وہ اس مقام پر کہ عالم ملکوت کا کشف اسی مقام سے شروع ہوتا ہے پہنچ جاتا ہے تو اس کا پیر اسے کسی طریقہ میں مشغول کر کے جنگل میں بھیج دیتا ہے۔ اور وہ باغوں اور جنگلوں میں تنہا یاد الٰہی میں مصروف ہو جاتا ہے اور یہ اس لیے کیا جاتا ہے کہ قرب حق کے حصول کے لیے خلقت سے کنارہ کشی ضروری ہے۔

مولانا عبدالحکیم حضرت میاں میرؒ کے فضائل و مراتب سے آگاہ تھے۔ یہ بھی جانتے تھے کہ بادشاہ ان کا عقیدتمند ہے۔ اور ان کا بہت کچھ ادب واحترام کرتا ہے۔ اور شہر کے عام ہندو مسلمان بھی ان کی بڑی عزت کرتے ہیں۔ ان کو یہ بھی معلوم تھا کہ خود شہنشاہ اس وقت ان کے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ بایں ہمہ حضرت میاں میرؒ کے ان الفاظ پر وہ خاموش نہ رہ سکے اور بڑے ادب کے ساتھ عرض کیا۔

آپ نے جو کچھ بیان فرمایا ہے اگر وہ صحیح ہے تو یہ عین رہبانیت کی تعلیم ہے۔ اور اسلام اس تعلیم کی اجازت نہیں دیتا (اگر اور باتوں کی طرف خیال نہ بھی کریں تو یہ تھوڑی بات ہے) کہ اس سے نماز با جماعت فوت ہو جاتی ہے۔

آنجناب (یعنی حضرت میاں جی) نے فرمایا۔ تعجب ہے کہ آپ ایسا فرماتے ہیں۔ مسلمانوں کو لازم ہے کہ نماز کی تحقیق کریں۔ اور دل کی حضوری حاصل کریں۔ تاکہ ان کی نماز درست ہو سکے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب تک دل کی حضوری نہ ہو نماز درست نہیں ہوتی۔ ایسی حالت میں نماز باجماعت کا کیا فائدہ؟ یاد رکھو اگر .... آبادی سے دور جنگل میں بھی نکل جائیں تو بھی نماز باجماعت فوت نہیں ہو سکتی۔ ہمارے یار ادھر ادھر کے جنگلوں کے تلے آبادی سے دور گوشہ تنہائی میں یاد الٰہی میں مشغول ہوتے ہیں۔ جب نماز کا وقت آتا ہے تو ہم سب اکٹھے ہو جاتے ہیں اور مل کر نماز پڑھ لیتے ہیں۔

Marfat.com

داراشکوہ نے یہ قصہ یہیں تک لکھ کر ختم کر دیا ہے۔ آگے صرف اتنا لکھا ہے۔

بادشاہ (جہانگیر) اس مرتبہ بھی ایک پہر تک حضرت میاں جی کی خدمت میں حاضر رہا۔

مولوی عبدالحکیم اور شہنشاہ شاہجہان

اکبر کے زمانہ میں مولوی عبدالحکیم لاہور کے سرکاری مدرسہ میں مدرس اعلیٰ تو تھے لیکن ان کے کمالات کی شہرت بادشاہ تک نہ پہنچ سکی۔ یا کسی نے پہنچانی مناسب نہ سمجھی۔ جہانگیر کی نگاہ نکتہ رس نے ان کو تاڑا اور ان کی مدد معاش مقرر کر کے ان کی شہرت و عظمت کا بنیادی پتھر رکھ دیا۔

شاہجہان کا ابتدائی عہد تھا۔ کہ مولانا عبدالحکیم اکبر آباد (آگرہ) کے سرکاری مدرسہ میں جو اکبر کا جاری کیا ہوا تھا۔ مدرس اعلیٰ بنا کر بھیجے گئے۔ حاجی محمد جان قدسی۔ (وطن شہد۔ مدفن کشمیر۔ سری نگر۔ دائرہ مزار الشعراء محلہ درگجن) جو شاہجہان کے زمانہ کا ایک نامور شاعر تھا۔ اور مولانا عبدالحکیم اس مدرسہ میں ایک ہی وقت میں اُستاد رہے ہیں۔

"... خیر" سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عالیشان مدرسہ کی کچھ عمارت شروع انگریزی عہد تک موجود تھی۔ شہنشاہ اکبر ... س مدرسہ کے لئے شیراز سے چلپی بیگ ایک نامی فاضل کو بلوایا تھا۔ ایک وسیع و خوبصورت مسجد بھی اس مدرسہ کے ساتھ تھی۔

کیا انقلاب زمانہ ہے جہاں مدرسہ کی عالیشان عمارت تھی۔ جہاں فقہ وحدیث اور تفسیر قرآن اور منطق و فلسفہ کی تعلیم ہوتی تھی۔ جہاں علم و فضل کے دریا بہتے تھے جہاں ادب و تاریخ کا ہن برستا تھا۔ جہاں ملک کے نامور اور چیدہ علماء تعلیم و تربیت کا انتظام کرتے تھے۔ آج نہ وہاں مدرسہ ہے نہ دارالاقامہ کا کوئی پتہ ہے۔ البتہ مسجد مذہب کی پناہ میں آ کر اب تک موجود ہے۔ اور مدرسہ کے نام پر مسجد کے متصل ایک محلہ محلہ مدرسہ کے نام سے مشہور ہے۔

Marfat.com

مولوی عبدالحکیم جہانگیر کے زمانہ میں جاگیر حاصل کرنے کی وجہ سے دربار میں بھی رفتہ رفتہ شہرت حاصل کر رہے تھے۔ شاہجہان کے زمانہ میں پہلے تو آگرہ بھیجے گئے۔ مگر بعد میں غالباً دربار میں بھی پہنچ گئے۔ اس لئے کہ اکثر کتابوں میں اس امر کا تذکرہ پایا جاتا ہے کہ ''ایران وتوران اور عرب وشام تک کے علماء اور اہل کمال دربار شاہجہان میں موجود تھے۔ مگر ان سب میں بلحاظ قابلیت مولوی عبدالحکیم کا پایہ بلند تھا''۔

ان کے اسقدر عروج اور ان کی شہرت وعظمت اور شاہجہان کے دربار تک پہنچنے کی مختلف روائتیں بیان کی جاتی ہیں۔ جن میں سے ہم صرف یہاں دو روائتوں کا ذکر کرتے ہیں۔

ایک روایت جو سیالکوٹ کے ہر فرد و بشر اور پنجاب کے اکثر حضرات کو معلوم ہے یہ ہے کہ مولوی صاحب کے گھر میں ان کے خاندان سے کوئی عورت بیمار تھی۔ حکماء یا تجربہ کار عورتوں نے اس بیماری کا علاج تروتازہ اور سبز لونگ بتایا۔ اس وقت چونکہ سبز اور تازہ لونگ کا ملنا محال تھا۔ اس لئے مولوی صاحب متفکر تھے۔ اسی اثناء میں ان کے مدرسہ کا ایک طالب علم شیر ول نام ان کی خدمت میں آیا۔ ان کو متردد دیکھ کر سبب پوچھا۔ مولوی صاحب نے سبز لونگوں کی ضرورت ظاہر کی۔ طالب علم نے کہا آپ فکر نہ کریں۔ ان شاء اللہ سبز لونگ جسقدر مطلوب ہوں گے تھوڑی دیر تک حاضر کر دوں گا۔ چنانچہ وہ لڑکا مولوی صاحب سے رخصت ہو کر قریباً دو گھنٹہ تک ان سے علیحدہ رہا۔

کوئی نہیں بتا سکتا کہ یہ دو گھنٹے اس نے کہاں گذارے۔ اور وہ اس عرصہ میں کیا کام کرتا رہا۔ لیکن دو گھنٹہ کے بعد جب وہ مولوی صاحب کے پاس آیا تو مولوی صاحب کے علاوہ اور لوگوں نے بھی دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں سبز لونگوں کا درخت معہ بیخ و بن موجود ہے اور اس کے ساتھ لونگ تروتازہ ضرورت سے صدہا حصہ زیادہ لگے ہوئے ہیں۔

لوگ حیران تھے لیکن مولانا کے ادب کیوجہ سے کچھ دریافت نہ کر سکتے تھے۔

Marfat.com

مولوی صاحب نے لونگ تو گھر بھجوا دیئے۔ اور کسی دوسرے وقت تنہائی میں شیر دل سے کہا تم جو کچھ ہو مجھے معلوم ہو گیا ہے۔ میری یہ خواہش ہے کہ اب تم مدرسہ سے چلے جاؤ۔ اور پھر کبھی یہاں آنے کا نام نہ لو۔ اس لئے کہ جنات کا انسانوں میں رہنا مناسب نہیں ہے۔

شیر دل نے ہر چند منت سماجت کی اور کہا۔ میں جو کچھ ہوں آپ سے اب پوشیدہ نہیں ہے۔ لیکن آپ کا غلام اور فیض یافتہ ہوں۔ اپنے قدموں سے جدا نہ کیجئے۔ مولانا نے ایک نہ سنی۔ آخر وہ جن طالب علم زبان حال سے ع۔ بہر جا کہ باشم غلام تو ام۔ کہہ کر اور یہ الفاظ ادا کر کے رخصت ہو گیا۔ اگر زندگی ہے تو ضرور کسی وقت استادی کا حق ادا کروں گا۔ ورنہ ما بخیر شما بہ سلامت۔

اس واقعہ کو کچھ زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا۔ کہ دہلی میں ایک شہزادی سخت بیمار ہو گئی علاج معالجہ سے جب کوئی آرام نہ آیا تو سیانے لوگوں نے یہ بتایا کہ کوئی آسیب ہے جس نے شہزادی کو تنگ کیا ہوا ہے۔ بڑے بڑے کامل آئے۔ ٹوٹکے اور افسوں ہوئے مگر وہ آسیب دور نہ ہوا۔ جب عامل تھک گئے تو وہ آسیب شاہزادی کی زبان سے کہنے لگا۔ میں وہ زبردست آسیب ہوں کہ جب تک مولوی عبدالحکیم سیالکوٹی نہ آئیں گے۔ میں یہاں سے نہیں جا سکتا۔ بادشاہ نے صوبہ لاہور کی معرفت بہ اعزاز تمام مولوی صاحب کو دہلی بلوا بھیجا۔ جب مولوی صاحب نے حدود دہلی میں قدم رکھا۔ تو شاہزادی کی حالت دفعۃً روبصحت ہونے لگی۔ اور جب وہ دہلی پہنچ گئے تو شاہزادی بالکل تندرست ہو گئی یا دوسرے الفاظ میں وہ آسیب چلا گیا۔

بادشاہ نے مولانا کو بہت سا انعام و اکرام عطا فرمایا۔ بہت بڑی جاگیر عطا کی اور مقربان بارگاہ شاہی میں داخل فرمایا۔

دوسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے جو ہر چند پہلی وجہ کی نسبت کسی قدر زیادہ وزن

Marfat.com

دارنظر آتی ہے۔مگر واقعات اس کے بھی خلاف ہیں۔جس کا ہم آگے چل کر ذکر کریں گے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب نواب سعد اللہ خاں شاہجہان کے وزیر ہو گئے تو انہیں اپنا عالم وفاضل ہم مکتب ملا عبدالحکیم یاد آیا۔اورانہوں نے اس کو دہلی بلا لیا۔

اگر یہ وجہ صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مولانا عبدالحکیم ۱۰۵۴ھ کے بعد شاہجہاں کے دربار میں پہنچے ہیں اس لیے کہ نواب سعد اللہ خان رمضان ۱۰۵۰ھ میں معقول تنخواہ پر شاہجہان کے پاس ملازم ہوئے ہیں۔اور چار ہی سال کے عرصہ میں قابلیت کے وہ جوہر دکھائے ہیں کہ قلمدان وزارت بغیر کسی کوشش کے آپ کے قبضہ میں آ گیا ہے۔

دربار میں پہنچنے کے لیے کسی ایسے تحفہ کی ضرورت تھی جوان کی قابلیت وعلمیت کا اظہار کرتی۔شاعر نہیں تھے کہ قصیدہ لیجاتے۔تاجر نہیں تھے کہ کوئی مال پیش کرتے مخبر نہیں تھے کہ جھوٹی سچی خبروں سے اپنی مطلب براری میں کامیاب ہو جاتے۔عالم تھے۔علم کے کیڑے تھے۔ہستی باری تعالیٰ کے ثبوت میں ایک کتاب لکھی جو مختصر تھی لیکن نہایت مدلل اور جامع۔نام اس کتاب کا درثمینہ (ڈاکٹر سر محمد اقبال ایم۔اے۔پی ایچ ڈی بیرسٹرایٹ لاء لاہور متوطن سیالکوٹ کا بیان ہے کہ عرصہ ہوا۔اس مختصر سی کتاب کا میں نے ایک قلمی نسخہ کسی کے پاس دیکھا تھا) بیان کیا جاتا ہے۔نواب سعد اللہ خاں کی معرفت شہنشاہ کے حضور میں وہ مختصر سی کتاب پیش کی۔بادشاہ نے خوشنودی کا اظہار کیا۔اور وہ قدر دانی اور علم نوازی فرمائی کہ چٹائیوں پر بیٹھنے والے سونے چاندی کے سکوں سے تولے گئے۔

ان روائتوں کی جب واقعات سے تطبیق کی جاتی ہے تو ہمیں ان کی صحت سے مایوس ہونا پڑتا ہے۔یہ ممکن ہے کہ مولانا کے پاس ایک جن بشکل انسان پڑھتا رہا ہو۔اس لئے کہ نہ عالم جنات سے انکار ہے اور نہ اس بات سے کہ ان میں بھی بُرے بھلے۔نیک بد اور عالم وجاہل ہوتے ہیں۔مگر مولانا اپنے علم وفضل کے لحاظ سے جو مرتبہ علمائے عصر میں

Marfat.com

رکھتے تھے اور خود دربار جہانگیر میں جوان کی وقعت تھی۔ وہ تعویذ دھاگہ۔ عالم و معمول اور افسوں اور ٹوٹکوں کی وجہ سے نہ تھی۔ مولانا لاہور کی سرکاری اعلیٰ مدرسہ کے صدر (پرنسپل) تھے۔ ملک میں ان کی عظمت وشہرت کا چرچا تھا۔ جہانگیر جب لاہور آتا تھا۔ تو مولانا ضرور دربار میں بلوائے جاتے تھے۔ اس لحاظ سے بھی کہ وہ عالم فاضل تھے۔ اور اس لحاظ سے بھی کہ جاگیر دار تھے۔ شاہجہان ضرور ان کے نام اور کام سے آگاہ تھا۔ تعارف کے لئے کسی جن یا عمل وافسوں کی ضرورت نہ تھی۔ جب شاہجہان نے بادشاہ ہو کر علماء وشعراء کی ایک فہرست انعام واکرام عطا کرنے کے لئے مرتب کرائی تو مولانا کا نام بھی اس فہرست میں تھا۔ چنانچہ صاحب ''آثار خیر'' ملا عبدالحمید (ملا عبدالحمید لاہور کو بھی چند مرتبہ انعامات ملے ہیں۔ ایک مرتبہ کے انعام کی رقم تین ہزار روپیہ بتائی گئی ہے۔) لاہوری کے شاہجہان نامہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔ جن علماء کو سال جلوس اول یا بعد کے سالہائے جلوس میں انعام و اکرام ملتے رہے ہیں ان میں ایک ملا عبدالحکیم فاضل سیالکوٹی بھی تھے۔ اسی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ انعام کی مقدار بارہ ہزار روپیہ ہوئی تھی۔

صاحب مآثر الکرام دفتر اول میں مولانا عبدالحکیم کے متعلق لکھتے ہیں۔ ''چوں نوبت دارائے ہندوستاں بہ صاحب قران شاہجہان انار اللہ برہانہ رسید۔ وطائفہ علماء وشعراء را رواجے دیگر پدید آمد۔ ملا عبدالحکیم دریں عہد بارہا خود را بہ درگاہ خلافت رسانید۔ ہرگاہ وارد حضور میگردید۔ بہ رعایت نقودہ نامحدود مخصوص مے گشت ودوبار از سنجیدہ شد ومیانع ہم سنگ ہم گرفت۔ چند قریہ بہ رسم سیورغال انعام شد''

مندرجہ بالا سطور سے نہ صرف یہ معلوم ہو گیا ہو گا کہ مولانا عبدالحکیم کو دربار شاہجہان میں رسائی کے لئے کسی جن کی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ ان کا علم وفضل ان کا کافی ذریعہ تھا۔ اور ان اوصاف کی وجہ سے بادشاہ ان کی بیحد قدر ومنزلت کرتا تھا۔

Marfat.com

دوسری وجہ نواب سعد اللہ خاں کی سفارش بتائی جاتی ہے۔ ہم اس پر بھی واقعات کے لحاظ سے ایک سرسری نظر ڈالنا چاہتے ہیں۔

شاہجہان ۸ جمادی الثانی ۱۰۳۷ھ مطابق ۶ فروری ۱۶۲۸ء کو تخت پر بیٹھا ہے۔ نواب سعد اللہ خاں رمضان ۱۰۵۰ھ میں اس کے پاس آیا ہے۔ اور ۱۰۵۴ھ میں اس کو قلمدان وزارت ملا ہے۔ ''آثار خیر'' ''مأثر الکرام'' اور ''شاہجہان نامہ'' کی تحریریں ہم کو بتا چکی ہیں کہ شاہجہان نے ابتدائے سلطنت ہی میں انعام واکرام اور عطایات کے دروازے مولانا عبدالحکیم پر کھول دیئے تھے۔ ان تحریروں کی موجودگی میں یہ بات کسی طرح تسلیم نہیں کی جاسکتی کہ مولانا عبدالحکیم جو سعد اللہ خاں کے نواب اور وزیر ہونے سے ۱۶۔۱۷ سال پیشتر شاہجہان کے دربار میں رسوخ رکھتے تھے۔ سعد اللہ خان کی سفارش سے شاہجہان کے دربار میں پہنچے ہوں۔ نواب سعد اللہ خاں کا عروج ۱۰۵۴ھ میں شروع ہوتا ہے۔ اور جمادی الآخر ۱۰۶۶ھ ہی سے شاہجہان کے دربار میں رسوخ رکھتے تھے بلکہ شاہجہان کے باپ جہانگیر کے زمانہ میں بھی شاہی دربار میں اُن کی آمدورفت تھی۔ جیسا کہ حضرت میاں میرؒ کی ملاقات کے واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔

البتہ یہ ضرور ہے کہ دونوں عظیم القدر ہم مکتب کچھ مدت تک دربار شاہجہان کے نورتن رہے ہیں۔ نواب سعد اللہ خاں خوبیٔ قسمت اور اپنی اعلیٰ قابلیت سے وزیر ہو گئے۔ اور مولانا علمائے کرام کی صف میں اس ممتاز جگہ پر بیٹھے جو بادشاہ کے پہلو میں نشست گاہ علماء کے نام سے موسوم تھی۔

منطق وفلسفہ کی بحث میں ان کا پایہ بہت بلند تھا۔ نامی علماؤ فضلاء دربار میں جمع تھے۔ وظیفے لیتے تھے۔ ان میں بعض درس وتدریس کا شوق بھی کرتے تھے یہ سب علماء جاگیروں کے مالک بھی تھے۔ اور سب ''فاضل سیالکوٹی'' کا ادب واحترام کرتے تھے۔

Marfat.com

خود شہنشاہ نے کئی گاؤں جاگیر میں دیئے۔اور ہمیشہ انعام اکرام سے مالا مال کیا۔

شاہجہانی عہد میں جو ناموراور ذی علم علماء درجۂ امراء میں داخل تھے اور جن میں بعض (مثلاً نواب سعد اللہ خاں) (روضہ قیومیہ میں لکھا ہے۔نواب سعد اللہ خاں علم وفضل میں اپنے تمام معاصرین سے ممتاز تھے مگر کاروبار ملکی کی وجہ سے ان کے علم کا ظہور علماء کی مجلسوں میں نہیں ہوتا تھا۔) ملکی خدمات پر بھی مامور تھے۔مصنف آثار خیر نے ان کی تعداد بائیس تک بیان کی ہے۔جن میں بدخشانی بھی ہیں۔ بخاری اور سندھی بھی ہیں۔اور لاہور۔ کابل اور دہلی کے رہنے والے بھی ہیں۔انہی میں ''ملا عبدالحکیم سیالکوٹی'' کا نام بھی جلی حروف میں لکھا ہوا ہے۔ یہ علماء وفضلاء ملکی کام بھی کرتے تھے۔غیر ممالک کے بادشاہوں اور ماتحت والیان ملک کو حفظ مراتب کے ساتھ حکومت کی طرف سے مراسلے لکھتے تھے۔ شریعت اسلامیہ اور علم دین کی حفاظت واشاعت کرتے تھے۔ایسے ہی عالمان دین کے فیضان صحبت کا یہ اثر تھا کہ شاہجہان نے بادشاہ ہو کر کئی نامشروع امور مثلاً سجدہ۔کورنش وغیرہ ترک کرادیئے۔

روضۃ الادبا میں لکھا ہے کہ ''فاضل سیالکوٹی'' کچھ عرصہ تک شاہزادوں کو بھی تعلیم وتربیت دیتے رہے ہیں۔اور جہانگیر اور شاہجہان آپ کی بڑی عزت کرتے تھے۔

شاہجہان علم کا بڑا حامی اور اہل علم کا بڑا قدردان تھا۔شاہجہان نامہ میں لکھا ہے کہ شاہجہان نے اپنے سال جلوس میں علماء فضلاء اور دیگر ارباب استحقاق کو جو جاگیریں عطا کریں وہ ایکسو بیس گاؤں اور چار لاکھ بیگہ زمین پر مشتمل تھیں۔ زرنقد جس کی تعداد لاکھوں تک ہوتی تھی۔ جاگیروں کے علاوہ ہوتا تھا۔

شاہجہان کی علم دوستی وعلم پروری یہیں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اس نے اپنے ایام سلطنت میں تیرہ اہل کمال کو جن میں دو ہندو۔دو جراح اور باقی شعراء مؤرخ اور علماء تھے سونے چاندی سے تلوایا۔

Marfat.com

شاہجہان نے دومرتبہ مولانا عبدالحکیم کا تلادان کرایا ہے۔ مآثر الامراء اور دیگر کتابوں میں لکھا ہے کہ مولانا کو دونوں مرتبہ چھ چھ ہزار روپیہ نقد ملا۔ جوان کے وزن کے برابر تھا۔

رائج الوقت ایک ہزار سکہ (ایک روپیہ کا وزن ایک تولہ کے برابر) کا وزن ساڑھے بارہ سیر ہے۔ چھ ہزار روپے کا وزن ایک من ۳۵ سیر ہے۔ اگر شاہجہانی سکہ کو موجودہ رائج الوقت (انگریزی) سکہ سے کم وبیش سمجھا جائے تو چھ ہزار روپے کا وزن پھر بھی دومن کے اندر ہی رہتا ہے۔ اس حساب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مولانا اچھی جسامت کے تھے۔ اوران کی صحت باوجود کثرت مطالعہ اور شغل تدریس کے خراب نہ تھی۔

حدائق الحنفیہ میں مولانا عبدالحکیم کے حدلات میں لکھا ہے کہ (بزمانہ شاہجہان) ان کے پاس ایک لاکھ ۲۵ ہزار روپیہ سالانہ کی جاگیر تھی، جو آپ کی اولاد کے پاس چند پشتوں تک موجود رہی۔ مگر بعد میں گھٹتے گھٹتے بعد سرکار انگلشیہ بالکل معدوم ہوگئی۔

مولوی عبدالحکیم کے تلامذہ

مولوی عبدالحکیم علوم معقول ومنقول۔ منطق وفلسفہ اور دینیات کا وہ مجمع البحرین تھے کہ جن کے چشمہ فیض سے سینکڑوں اور ہزاروں تشنگان علم نے پیاس بجھائی لیکن آج جب مولانا کے فیض یافتگاں اور تلامذہ کے نام تلاش کئے جاتے ہیں تو سوائے مآثر الکرام جلد اول کے کہیں اور کسی جگہ کوئی نام نہیں ملتا۔

مآثر الکرام میں چونکہ زیادہ تر بلگرام (لکھنؤ) کے علماء وفضلاء کا ذکر ہے اس لئے اس میں مولانا کے جن دوشاگردوں کا نام ملا ہے وہ بلگرام اور اسی نواح کے بزرگ ہیں اور ممکن ہے انہوں نے مولانا سے اس زمانہ میں تعلیم پائی ہو جب شاہجہان کے ابتدائی دور میں وہ لاہور سے اکبرآباد کے سرکاری مدرسہ میں بھیجے گئے تھے۔ کیونکہ اکبرآباد (آگرہ) بہ نسبت لاہور کے بلگرام اوراس کے نواحات سے بہت نزدیک ہے۔

Marfat.com

مولانا نے لاہور اور سیالکوٹ میں بھی سرکاری اور پرائیویٹ طور پر سلسلہ تدریس جاری رکھا ہے۔ جہاں دُور دُور سے لوگ پڑھنے کے لیے آتے تھے۔ اور چونکہ پنجاب کے گھر میں علم کی یہ گنگا بہ رہی تھی اس لیے اہل پنجاب کو یقیناً ان کی ذات سے فیض عظیم پہنچا ہوگا۔ لیکن تعجب ہے کہ پنجاب میں ان کے کسی ایک شاگرد کا نام کسی تاریخ یا کسی کتاب میں جو راقم الحروف کے مطالعہ میں رہی ہے نظر سے نہیں گذر سکا۔

بہرحال مآثر الکرام سے جن دو شاگردوں کا پتہ مل سکا ہے اُن کا ذکر ذیل میں درج ہے۔

ملا عبدالرحیم

مولوی صاحب سے عرصہ تک پڑھتے رہے۔ بعد فراغ تعلیم مراد آباد کے قاضی ہو گئے۔ وطن بھی سنبل (ضلع مراد آباد) کے قریب ہی تھے۔ سید سعد اللہ بلگرامی جن کا مزار گجرات (دکن) میں ہے اور جو فقر و فضل میں عالی مرتبت تھے انہی ملا عبدالرحیم کے شاگرد تھے۔

میر سید اسمٰعیل بلگرامی

ابتدائی علوم مُلّا عبدالسلام (مولوی عبدالسلام دیوہ اپنے ہمنام ملا عبدالسلام لاہوری کے درس لاہور میں ایک عرصہ تک پڑھتے رہے۔ شاہجہان نے ان کو فوج کا قاضی بنا دیا تھا۔ لیکن آخر عمر میں انہوں نے استعفیٰ دے دیا اور کچھ عرصہ کے بعد لاہور میں انتقال فرمایا۔) دیوہ (ضلع بارہ بنکی) سے حاصل کئے۔ ہندی علم موسیقی سے خوب واقف تھے۔ جب گرد و نواح سے پیاس بجھتی نظر نہ آئی تو مولوی عبدالحکیم کے پاس سیالکوٹ چلے آئے۔ جن کی شہرت ان کے ذاتی کمال علم اور شاہانہ نوازشوں سے دُور دُور تک پھیل رہی تھی۔

سید بلگرامی نے مولوی صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے سبق پڑھنے کے لیے علیحدہ وقت دیا جائے۔ مولوی صاحب نے عذر کیا۔ اور فرمایا۔ ہجوم طلباء کے سبب علیحدہ وقت دینے کی گنجائش و فرصت نہیں ہے۔ مگر تم فلاں طالب علم کے ساتھ سماعت سبق

Marfat.com

اختیار کر سکتے ہو۔ میر صاحب نے اس خیال سے کہ وقت ضائع نہ ہو۔ سماعت سبق کو قبول کیا۔ مگر اس طریقہ سے کہ سماعت کا پورا حق ادا کر دیا ہے یعنی جب ان کا ساتھی طالب علم سبق لیتا تو آپ سنتے رہتے اور منہ سے ایک لفظ بھی نہ بولتے گویا ''سماعت'' پر پورا عمل کرر ہے تھے۔ اسی طرح ایک مدت گذر گئی۔ یہاں تک کہ خود مولوی صاحب نے ایک دن فرمایا کہ تم نے تو اتنے عرصہ میں کبھی ایک لفظ بھی اپنے منہ سے نہیں نکالا۔ میر صاحب نے کہا۔ مجھے سبق کے لئے علیحدہ وقت نہیں ملتا۔ اور دوسرے کے سبق میں سوائے سننے اور خاموش رہنے کے میرا کوئی منصب بولنے کا نہیں ہے۔ اگر علیحدہ وقت فقیر کو عنایت ہو۔ تو اپنی استعداد کے اندازہ کے موافق کچھ حاصل کرسکوں گا۔ ورنہ اسی طرح ناکام چلا جاؤں گا۔

مولوی صاحب نے فرمایا۔ عصر اور مغرب کے درمیان جو وقت ہے وہ میں تمہاری نذر کرتا ہوں۔ چنانچہ دوسرے دن میر صاحب کا درس مستقل طور پر علیحدہ شروع ہو گیا۔

ایک دن دوران سبق میں گفتگو اور بحث اس حد تک پہنچی کہ شام کی نماز کا وقت آ گیا چنانچہ نماز پڑھ کر پھر درس اور بحث میں مشغول ہو گئے۔ اور اس بحث نے اسقدر طول کھینچا کہ عشاء کی نماز تک گفتگو بحال رہی۔ مولوی صاحب نے جب دیکھا کہ اس مسئلہ پر بڑھی بحث ہو چکی ہے۔ اور ابھی سر رشتہ سخن کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ تو فرمایا۔ کل صبح اول وقت آؤ۔ تمام طلباء کا درس موقوف و بند کر کے سارا وقت اسی مسئلہ اور اسی بحث کو دیا جائے گا۔ دوسرے دن سید صاحب صبح ہی حاضر ہوئے۔ اور دو پہر تک بحث کا سلسلہ جاری رہا۔ غرض تین دن تک اسی طرح بحث ہوتی رہی۔ لیکن کوئی تصفیہ نہ ہو سکا۔ (افسوس ہے کہ صاحب مآثر الکرام نے اس مسئلہ کا نام نہیں لکھا۔ جس پر اسقدر طویل بحث جاری رہی منطق وفلسفہ کے خدا جانے کیا کیا نکات تھے جو زیر بحث رہے۔) آخر مولوی صاحب نے سید صاحب سے کہا۔ آخر اس مقام کا حل تم پر بھی کسی طرح ظاہر ہوا ہے یا

Marfat.com

نہیں۔ میر صاحب نے کہا ایک محشی نے اس کا حاشیہ لکھا ہے۔ اور یہ کہہ کر میر صاحب نے جو حاشیہ خود لکھا تھا۔ نکال کر پیش کیا۔ مولوی صاحب نے پڑھا۔ اور بے ساختہ ان کے ذہن رسا کی داد دی۔ اور تحسین کے جواہر نثار کئے۔ اور فرمایا۔ حاشیہ کا مطلب بہت دقیق اور نازک ہے۔ مگر عبارت طوالت سے خالی نہیں ہے۔ پوچھا۔ اب تک کہاں پڑھتے رہے؟ کہا ملا عبدالسلام صاحب دیوہ سے۔ مولوی صاحب کو خیال گذرا کہ مولوی عبدالسلام نے شاید میرا امتحان لینے کے لیے سید صاحب کو بھیجا ہے اس خیال کو سید صاحب سے برملا ظاہر کر دیا سید صاحب نے قسم کھائی کہ مولوی عبدالسلام کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ بلکہ محض بغرض استفادہ بطور خود حاضر خدمت ہوا ہوں۔

اس واقعہ کے بعد میر صاحب کی عزت مولانا عبدالحکیم کے دل میں بہت زیادہ ہو گئی میر صاحب ایک عرصہ تک مولوی صاحب کے درس میں شامل رہے۔ اور بقیہ کتابوں کی تحصیل کر کے اور فاتحہ فراغ (فاتح فراغ زمانہ قدیم میں ایک رسم تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ جب طالب علم فارغ التحصیل ہو جاتا تھا تو استاد دیگر طلباء کے مجمع میں فارغ التحصیل طلباء کو چند نصیحتیں کرتا تھا اور دعائے خیر کر کے اس کو رخصت کیا جاتا۔) لیکر اپنے وطن کو واپس گئے۔

میر صاحب۔ صاحب قلم ہی نہیں تھے۔ بلکہ صاحب شمشیر بھی تھے۔ نواب نجابت خاں نے ایک مرتبہ آپ کی شجاعت دیکھ کر کہا تھا "سید ما صاحب السیف والقلم است" نواب نجابت خاں کے مصاحبوں میں تھے۔ آخر عمر میں ملازمت ترک کر دی۔ اور پھر مرتے دم تک تدریس و تصنیف کا شغل جاری رکھا۔ مولوی عبدالحکیم کے انتقال کے بیس سال بعد اورنگ زیب عالمگیر ۱۰۸۸ھ میں اپنے وطن بلگرام میں پیوند خاک ہو گئے۔

Marfat.com

مولوی عبدالحکیم اور شیخ آدم بنوری

حضرت شیخ آدم بنوری (بنور سرہند سے دس بارہ کوس کے فاصلہ پر ایک مقام ہے۔) حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ بلکہ اپنے آپ کو تمام خلفاء سے افضل جانتے تھے۔ لاہور میں اُن کا ایک مخلص تھا۔ اس نے شیخ صاحب کو لاہور آنے کی دعوت دی۔ شیخ صاحب پانچ ہزار ارادتمند پٹھانوں کی ایک جماعت کے ساتھ سرہند کے رستے لاہور آئے۔ یہاں بے شمار لوگ آپ کے مریدوں میں داخل ہوئے۔ بلکہ افغانستان سے صدہا آدمی آپ کی زیارت کے لئے لاہور آتے۔ جب تک آپ لاہور رہے۔ لاہور میں اسقدر رونق تھی کہ بقول صاحب روضہ قیومیہ گلی کوچوں میں سے چلنا مشکل تھا۔

یہ واقعہ ۱۰۵۵ھ (مورخہ ۲۹ شوال کو نور جہاں نے لاہور میں انتقال کیا۔ شاہجہان اس وقت خود لاہور موجود تھا۔ بڑے اعزاز سے اُس کو اپنے بنائے ہوئے مقبرہ میں جس کے گرد چار چمن تھے دفن کیا، اسی سال پنجاب میں سخت قحط پڑا امساک باراں اور افواج شاہی کی گردادری (تسخیر بلخ و بدخشاں سے غلہ قدر گراں ہو گیا کہ آدمی اپنے فرزندوں کو بیچتے ہی نہیں تھے بلکہ ذبح کر کے کھا جاتے تھے۔ بادشاہ نے متفرقات و مفصلات کے علاوہ لاہور میں دس لنگر خانے قائم کئے۔ ہر لنگر خانہ میں دو سو روپیہ کی خوراک پختہ و خام تقسیم ہوتی تھی۔ پچاس ہزار روپیہ بے بضاعت سفید پوشوں کو دیا۔ اور حکم دیا کہ جو بچے فروخت کئے جا چکے ہیں ان کا زر سرکار سے ادا کر کے وہ اپنے والدین کے پاس پہنچائے جائیں۔) کا ہے جبکہ شاہجہان کشمیر سے واپسی کے وقت وسط رمضان میں لاہور پہنچا تھا۔ اس سفر میں بادشاہ نے پانچ مہینے تک لاہور میں قیام کیا۔ اور ۱۸ صفر کو یہاں سے کابل کی طرف روانہ ہوا۔ جب بادشاہ نے سنا کہ لاہور میں ایک ایسا شیخ آیا ہے

Marfat.com

جس کے گرد ہزار ہا لوگ جمع رہتے ہیں اور جس کے دم قدم سے لاہور میں وہ رونق ہے کہ بازاروں اور گلی کوچوں میں چلنا محال ہو رہا ہے تو اس سے ملاقات کرنے کے لئے وزیر سعد اللہ خان سے مشورہ کیا۔ اس وقت مولوی عبدالحکیم کہ ان کو ملک العلماء (روضہ قیومیہ در بیان خلفائے عظام و مریدان کرام حضرت مجدد الف ثانیؒ۔) بھی کہتے تھے موجود تھے۔ تجویز یہ قرار پائی کہ علامہ دستور المعظم اور ملک العلماء پہلے شیخ صاحب سے جا کر ملیں۔ اگر شیخ صاحب میں کچھ جوہر نظر آئے تو پھر بادشاہ بھی اس سے ملاقات کرے۔

جب دونوں جلیل القدر عالم شیخ صاحب کے پاس آئے اس وقت شیخ خلوت میں تھے۔ اُنہوں نے اطلاع کی مگر شیخ نے اندر آنے کی اجازت نہ دی۔ آخر دونوں خلوتخانہ سے باہر خانقاہ کے اندر بیٹھے رہے۔ کافی دیر کے بعد شیخ جب خلوت سے باہر نکلے پھر بھی ان کی چنداں پرواہ نہ کی۔ ملک العلماء اور وزیر دونوں جید عالم تھے۔ کسی نہ کسی طریق سے انہوں نے علمی مباحثہ شروع کر دیا۔ حضرت شیخ اول تو ان کی باتوں کو سنتے ہی نہ تھے۔ اور سنتے بھی تھے تو جواب اور کا اور دیتے تھے۔

مولوی صاحب نے بحث ترک کر کے حضرت مجدد الف ثانی کے بعض معارف جو علم کلام کے متعلق تھے۔ اور حضرت کے چند اجتہادیہ مسائل کی تشریح شیخ صاحب سے دریافت کی۔ شیخ نے حضرت مجدد صاحب کے صرف دو تین تصرفات اور ان کے بزرگانہ فضائل کا ذکر کر کے دقیق باتوں کا جواب کسی اور وقت پر ٹال دیا۔ یہ دیکھ کر مولوی صاحب نے ان حقائق و معارف کی تحقیق خود ہی بیان کی۔ جس پر تمام لوگ عش عش کرنے لگے۔ مولوی صاحب نے کہا شیخ صاحب! جہاں سے آپ کو یہ کمالات حاصل ہوئے ہیں میں نے بھی اسی بارگاہ سے کسب سلوک کیا ہے۔ میں تو آپ کو اپنی جنس (یعنی پیر بھائی) سمجھ کر آیا تھا۔ ورنہ کوئی ضرورت نہ تھی۔

Marfat.com

غرض مولوی صاحب اور وزیر سعد اللہ خاں دونوں وہاں سے رخصت ہو کر بادشاہ کے پاس آئے۔ مولوی صاحب تو خاموش رہے مگر وزیر نے کہا۔ یہ جاہل ہے پٹھان اس نے بہت جمع کر رکھے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہیں فتنہ وفساد برپا کرے۔ بادشاہ نے شیخ کو کوئی تکلیف تو نہ دی۔ لیکن حج کے بہانے اسے ہندوستان سے رخصت کر دیا۔ چنانچہ شیخ آدم بنوری کا انتقال مدینہ ہی میں ہوا ہے۔

مولوی عبدالحکیم اور حافظ شیخ حسین

شیخ حسین ''ڈاہڈا'' قرآن شریف کا حافظ تھا۔ اور اپنے کمال علم کی وجہ سے آیات اللہ کے عجیب وغریب معانی بیان کرتا تھا۔ اس کا قول تھا۔ نہ مقیم ہوں نہ مسافر۔ نہ مسلمان نہ کافر الان کما کان (اب بھی ویسا ہی ہوں جیسا پہلے تھا) لاہور میں ڈاڑھی منڈا کر مست پھرتا تھا۔ اس کے مرید بھی سب ڈاڑھی منڈے تھے۔ سماع ومزامیر اور گانے بجانے میں رات دن محو رہتا تھا۔ اس کے طریقہ ملامتیہ کیوجہ سے قاضی القضاۃ مخدوم الملک نے اس کو سزا دینی چاہی۔ مخدوم الملک ایک دن گھوڑے پر سوار کہیں جا رہا تھا۔ شیخ نے اس کو دیکھ لیا۔ اور گھوڑے کی لگام پکڑ کر کہنے لگا۔ اسلام کے پانچ رکن ہیں۔ توحید میں میں اور تم دونوں شریک۔ حج زکوۃ کو تم نے چھوڑا نماز روزہ میں نے ترک کیا۔ پھر میں تنہا کس طرح سزا کا مستحق ہوں؟ مخدوم الملک اس کا کچھ جواب نہ دے سکا اور چلا گیا۔ ایک دن مولونا عبدالحکیم (حسنات العارفین یعنی شطحات از تصنیف داراشکوہ۔ سال تصنیف ربیع الاول ۱۰۶۴ھ۔) بھی شیخ کے پاس گئے۔ اور کہا۔ میں مرید ہونا چاہتا ہوں۔ شیخ نے کہا۔ کیوں مجھے رسوا کرنا چاہتے ہو۔ تم اس کام کے نہیں ہو۔ اور نہ میری شرائط پوری کر سکتے ہو (یعنی تم کو ڈاڑھی منڈانا ہوگی اور پیالہ (شراب کا) میرے ہاتھ سے پینا ہوگا) مولانا نے کہا اگر دلیل و برہان سے قائل کر لو گے تو جو کہو گے ماننے کو حاضر ہوں۔ شیخ نے کہا۔ جاؤ تم خشک

Marfat.com

ملا میرے مطلب کے نہیں ہو۔ شہزادہ داراشکوہ نے حسنات العارفین میں شیخ کی ان خوارق عادات اور کرامات کا ذکر کیا ہے جو مولانا کی چشم دید تھیں یا لوگوں نے بیان کی تھیں۔

مولوی عبدالحکیم کا کتب خانہ

مولانا عبدالحکیم کے علم وفضل اور ان کی علمی شہرت وقابلیت کے اندازہ سے ان کے نادر کتب خانہ کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانا چاہیے۔ وہ خود مصنف تھے۔ صاحب علم تھے۔ طالب علم تھے۔ صاحب درس وتدریس تھے۔ کتابوں ہی میں پلے۔ کتابوں ہی میں پرورش پائی۔ امیر بلکہ امیر الامراء تھے۔ پھر کتابیں انبار و رانبار ان کے پاس نہ ہوتیں تو اور کس کے پاس ہوتیں؟ خدا جانے منطق وفلسفہ۔ فقہ وحدیث۔ علم کلام وتفسیر اور نحو والہیات کے کیا کچھ بیش بہا خزانے تھے۔ اور ان کے علاوہ کیا معلوم ہے کس کس علوم وفنون کا ذخیرہ تھا جس کا آج وجود تک بھی نہیں۔

افسوس خلف وہ نہ نکلے جو سلف تھے۔ سلف بنانے کے لئے آئے تھے۔ خلف برباد کرنے کے لئے پیدا ہوئے۔ وہ کتب خانہ نااہلوں کے پاس آکر رفتہ رفتہ تباہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ سکھوں کے زمانہ میں جب سیالکوٹ لوٹا گیا۔ شہر میں آگ لگائی گئی تو مولوی عبدالحکیم کا نادر کتب خانہ بھی جو اپنے زمانہ میں شمالی ہند کا لاجواب دارالکتب تھا۔ سکھوں نے جلا دیا۔ (اقتباس از خط شمس العلماء مولانا میر حسنؔ سیالکوٹی۔)

علامہ عبدالحکیم کی وفات اور ان کا مقبرہ

مولوی عبدالحکیم کے دونامور ہم مکتبوں کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔ ان میں عمر میں سب سے چھوٹے مگر شہرت وعظمت میں سب سے بالا و بزرگ تر حضرت مجدد الف ثانیؒ ۱۰۳۴ھ میں کہ ابھی جہانگیر ہی کا عہد تھا۔ اور سعد اللہ خاں ابھی ملا سعد اللہ لاہوری ہی کے نام سے مشہور تھا۔ انتقال فرما گئے۔

Marfat.com

حضرت مجدد الف ثانیؒ اور علامہ عبدالحکیم میں جو علمی و روحانی بلکہ پیری و مریدی کے تعلقات تھے۔ وہ بعنوان ''علامہ عبدالحکیم کے ہم مکتب'' ظاہر کیئے جا چکے ہیں حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی حسرتناک وفات سے جو رنج مولانا کو ہوا ہوگا اس کا اندازہ ان تعلقات کی بنا پر خود ناظرین لگا سکتے ہیں۔

مولانا عبدالحکیم کے دوسرے ہم مکتب نواب سعداللہ خاں تھے۔ جنہوں نے گیارہ سال کی وزارت عظمیٰ کے بعد بارہویں سال جمادی الآ خر ۱۰۶۶ھ میں شاہجہان کی معزولی سے دوسال پیشتر انتقال کیا۔

۱۰۶۸ھ ۲۱ رمضان کو عالمگیر نے اپنے باپ اور مولانا عبدالحکیم کے حقیقی قدردان اور سرپرست شاہجہان کو قید و معزول کر کے بادشاہی تاج اپنے سر پر رکھا۔

علاوہ ازیں تین سلطنتوں کا انقلاب کچھ تھوڑی بات نہ تھا۔ اور پھر یہ وہ سلطنتیں تھیں جن کی مدت ایک سو سال سے کم نہ تھیں۔ اور جو ہندوستان کی اسلامی سلطنت کا سنہری عہد کہلاتی ہیں۔ جہانگیر کی اپنے باپ سے بغاوت! پھر اپنی بادشاہی کے زمانہ میں اس کے بیٹے خسرو کا فتنہ و فساد۔ اور آخر اس کا قید کی حالت ہی میں مر جانا۔ جہانگیر کی شاہجہان سے ناراضگی۔ اور کشمیر کے رستہ میں بادشاہ کا انتقال۔ شاہجہان کی تخت نشینی اور لاہور میں پانچ شہزادوں کا ایک ہی دن آصف جاہ کے ایماء سے قتل ہونا۔ پھر شاہجہان کی آخر عمر میں اس کے چاروں بیٹوں کی باہم خانہ جنگیاں۔ بادشاہ کا قید ہونا۔ اور اس کے تینوں بیٹوں کا منجھلے بیٹے عالمگیر کے ہاتھوں قتل و آوارہ ہونا۔ یہ ایسی باتیں نہ تھیں کہ مولانا عبدالحکیم ان سے متاثر نہ ہوتے۔ اور پھر ۹۶۸ھ کی پیدائش کے مطابق ۱۰۶۸ھ میں جبکہ ان کی عمر بھی ایک سو سال کی ہو چکی تھی۔ اور ان کے رفیق بھی ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے تھے۔ ان کا اپنا حال اس شعر کے مطابق تھا۔

ہوش و حواس و عقل و خرد جا چکے ہیں سب   اب ہم بھی جانے والے ہیں سامان تو گیا

Marfat.com

مولانا عبدالحکیم کے سال پیدائش کا معیار صرف تاریخی قیاسات پر قائم کیا گیا ہے لیکن ان کے سال وفات ۱۰۶۸ھ میں سب مورخوں (میر غلام علی آزاد بلگرامی نے مآثر الکرام میں لکھا ہے۔ مولانا عبدالحکیم ۱۲ ربیع الاول ۱۰۶۷ھ کو انتقال کر گئے۔ اس حساب سے ان کا انتقال شاہجہان کی نظر بندی ومعزولی سے ۶ ماہ پہلے ہوا ہے۔ مگر باقی تمام تذکروں میں سال وفات ۱۰۶۸ھ درج ہے۔ اس لیے ہم نے بھی اس سند کو زیادہ قابل وثوق قرار دیا ہے۔) کا اتفاق ہے۔ مولانا عبدالحکیم اکبر کے زمانہ میں پیدا ہوئے۔ اسی بادشاہ کے طویل زمانہ میں انہوں نے کمال علم مولانا کمال سے حاصل کیا۔ جہانگیر کے عہد میں دربار شاہی تک رسائی ہوئی جہانگیر کی مصاحبت میں بیٹھے۔ جاگیر حاصل کی۔ شاہجہان کے وقت انتہائی ترقی حاصل کی۔ اور مختلف اوقات میں ان کا تلادان ہوتا رہا۔ تینوں بادشاہوں کا طویل عہد۔ اور اس عہد میں مولانا عبدالحکیم کی زندگی کا ثبوت اس بات کی علامت ہے کہ ان کی عمر اگر پورے سو سال کی نہ بھی تھی۔ تو بھی اسقدر طویل ضرور تھی کہ انہوں نے متذکرہ صدر تینوں جلیل القدر بادشاہوں کے عہد حکومت دیکھے ہیں۔

تاریخ سیالکوٹ صمدی میں مولانا عبدالحکیم کی وفات کے دو تاریخی قطعات بھی نظر سے گذرے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

بحکم ازل چوں بہ جنت رسید — شہ معدن علم۔ عبدالحکیم
نداشد ز دل سال ترحیلِ او — ولی مخزن علم عبدالحکیم

۱۰۶۸ھ

دیگر

چو با حکم خدا داخل جناں شد — حکیم آں عالم دیں با مروت
بخواں عارف بہشتی ارتحالش — دوبارہ متقی اِحلال جنت

۱۰۶۸ھ

Marfat.com

وفات مولانا کی سیالکوٹ میں ہوئی۔اوراپنے عالیشان باغ میں دفن کیئے گئے۔ مولانا کے مزار کی عمارت شاہجہانی عمارتوں کا اعلیٰ نمونہ تھی۔سنگ مرمر اور دیگر اقسام کے بیش قیمت پتھر فرشوں۔دیواروں۔محرابوں اور قبر کے تعویذ پر لگائے گئے۔تاریخ سیالکوٹ میں لکھا ہے اس طرز وشان کی عمارت سیالکوٹ میں بہت کم تھیں۔

مولانا کے تالاب اور سرکاری ہسپتال (یہاں مولانا کا حمام ومسافر خانہ تھا جس کا ذکر مولوی صاحب کی تعمیرات کے ذکر میں آئے گا۔) کے درمیان جو سڑک ہے اس کی دوشاخیں ہو جاتی ہیں۔ایک شاخ کلووال کے پتن کو جاتی ہے۔دوسری وزیر آباد کو۔دونوں شاخوں کے درمیان مولانا عبدالحکیم کے مقبرہ کی چاردیواری نظر آتی ہے۔جس کے گردوپیش بھی چند پرانی اورنئی قبروں کے آثار دکھائی دیتے ہیں۔

چاردیواری پختہ ہے مگر اس کس مپرسی میں دستبرد زمانہ سے وہ کب تک محفوظ رہ سکتی ہے۔قبر کا چبوترہ چھوٹی چھوٹی چند سیڑھیوں کے بعد آتا ہے۔چبوترہ پر سفید پتھر کی چھوٹی چھوٹی تختیاں ہیں جن کی درزیں سنگ سیاہ کے خطوط سے اب تک بھی نہایت خوبصورت معلوم ہوتی ہیں۔لیکن فرش کا یہ خوبصورت پتھر سنگریزے بن کراب اکھڑتا جارہا ہے۔

مولوی عبدالحکیم کی قبر کے پہلو میں ایک اور قبر ہے۔تاریخ سیالکوٹ صمدی میں لکھا ہے کہ وہ قبر ان کے فرزند مولوی عبداللہ کی ہے۔یہ دونوں قبریں بلند چبوترہ پر ہیں۔ ایک قبر ان کے سامنے ہی جنوب کی طرف واقع ہے۔جو پختہ چونہ گچ بنی ہوئی ہے جس پر اوپر نیچے دو مصرعے لکھے ہوئے ہیں جن کے تمام حروف مٹ گئے ہیں۔صرف آخری الفاظ دونوں مصرعوں کے ''زیں عالم چرا'' پڑھے جاتے ہیں۔معلوم ہوتا ہے مصرعوں کی ردیف موجود ہے اور قافیہ اتنا تنگ ہوا ہے کہ مٹ گیا ہے۔

ان قبروں کے علاوہ اس احاطہ کے اندر چودہ پندرہ اور قبریں ہیں۔جن میں سے کئی ایک درختوں کی جڑوں کے نیچے آکر بالکل منہدم ہوگئی ہیں۔

Marfat.com

قبر بالکل بے سایہ ہے۔ سوائے چار دیواری کے کسی مکان یا عمارت کا کوئی نشان نظر نہیں آتا۔ معلوم ہوتا ہے سکھا شاہی دور میں جس طرح لاہور کی اسلامی عمارتوں پر زوال آیا ہے اسی طرح سیالکوٹ کی شاہجہانی طرز کی یہ عمارت بھی بے دردوں نے اسلامی جاہ وجلال کے آثار سمجھ کر یا سنگ مرمر کے طمع کے لئے مٹادی ہوگئی۔ لیکن جو لوگ اپنے نہ مٹنے ولائے کارناموں کی وجہ سے ''ثبت است برجریدہ عالم'' کا مصداق ہوں وہ جسمانی طور پر نابود ہو جائیں۔ ان کی قبریں مٹادی جائیں اور عمارتیں گرادی جائیں۔ لیکن ان کے نام کبھی صفحہ تاریخ سے مٹ سکتے ہیں؟۔

مولانا عبدالحکیم کی اولاد واحفاد

تاریخوں میں مولوی عبدالحکیم کے صرف ایک ہی فرزند مولوی عبداللہ کا نام معلوم ہو سکا ہے۔ مولوی عبداللہ جس قسم کے نامور اور بے عدیل باپ کے فرزند تھے۔ ویسے ہی قابل اور حقیقی جانشین ثابت ہوئے۔

تاریخ سیالکوٹ میں لکھا ہے۔ سیالکوٹ مولوی عبداللہ کے زمانہ میں اسلام کا ایک زندہ نمونہ نظر آتا تھا۔ ان کا استفتاء تمام پنجاب میں جاری تھا۔ علوم ظاہری و باطنی میں ادراک کامل رکھتے تھے۔ ''آثار خیر'' میں لکھا ہے مولوی عبداللہ عہد عالمگیری کے نامور اور مشہور علماء میں تھے۔ ''مآثر الامراء'' اور ''روضۂ قیومیہ'' میں جو عہد محمد شاہی کی تصانیف ہیں۔ آپ کے علم وفضل اور آپ کے اس رسوخ واقتدار (دیکھو کتاب ہذا کہ ضمیمہ ''مشاہیر سیالکوٹ'' دربیان مولانا عبداللہ۔) کا ذکر ہے جو عالمگیر کے دربار میں آپ کو حاصل تھا۔ روضہ قیومیہ میں جو حضرت مجدد الف ثانی کے خاندان کے ایک قابل وعالم رکن مولانا خواجہ احسان احمد کی تصنیف ہے۔ لکھا ہے''۔ آپ ہندوستان کے مشہور عالم تھے۔ آپ کی تصنیفات نہایت اعلیٰ پایہ کی ہیں۔

Marfat.com

روضۂ قیومیہ میں آپ کو حضرت امام معصوم زمانی قیوم ثانی خلف حضرت امام مجدد الف ثانی کا ہمعصر بتایا گیا ہے۔ حضرت قیوم ثانی نے بعہد عالمگیر ۱۰۷۹ھ میں وفات پائی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ۱۰۷۹ھ تک بقید حیات تھے۔ نیز تمام تاریخوں میں آپ کو علمائے عالمگیری میں شامل کیا گیا ہے۔ عالمگیر کی وفات ۲۰/ ذیعقد ۱۱۱۸ھ کو ہوئی ہے۔ آپ کا انتقال بھی اسی سنہ میں یا اس سے چند سال پیشتر ہوا ہوگا۔

اس کے بعد اعظم شاہ سے لیکر رفیع الدولہ تک ہندوستان میں ۶ بادشاہوں (اعظم شاہ بن عالمگیر تین ماہ دس یوم۔ بہادر شاہ شاہ عالم بن عالمگیر پانچ سال ۸ یوم۔ معزالدین جہاندار شاہ بن بہادر شاہ گیارہ ماہ پانچ یوم۔ فرخ سیر بن عظیم الشان بن بہادر شاہ تین سال تین ماہ ۱۸ یوم ابوالبرکات بن رفیع الشان بن بہادر شاہ تین ماہ ۹ یوم۔ رفیع الدین بن رفیع الشان بن بہادر شاہ تین ماہ آٹھ یوم۔ کل دس سال ایک ماہ تیرہ یوم۔ از۱۴ ذی الحجہ ۱۱۱۸ھ لغایت ۱۷ ذیعقد ۱۱۳۱ھ۔) نے دس سال ایک ماہ تیرہ یوم تک حکومت کی ہے۔ اس زمانہ میں مولوی عبدالحکیم کی اولاد کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ البتہ روشن اختر محمد شاہ بادشاہ کے زمانہ (عہد حکومت ۱۱۳۱ھ لغایت ۱۱۶۱ھ۔) میں کشمیر کی تاریخیں ایک بزرگ مولانا جان محمد کا نام بتاتی ہیں جن کے متعلق لکھا ہے ''از احفاد ملا عبدالحکیم بود۔ اور علومِ صوری از ملا عاقل استفادہ کردہ فاضل دوران شد۔ و بین الاقران ممتاز گشت و شجرہ نسب میں لکھا ہے۔ مولوی جان محمد بن ملا ابوالفتح بن ملا فاضل۔ اس کے آگے سلسلہ درج نہیں ہے۔ شاید ملا فاضل۔ ملا عبداللہ عالمگیری کے بیٹے ہوں جو ملک العلماء مولوی عبدالحکیم کے فرزند تھے۔

مولوی جان محمد اس خاندان کی یادگار تھے۔ علم و فضل جس کا کئی پشتوں سے ورثہ چلا آتا تھا۔ اس لیے انہوں نے سن بلوغت سے پیشتر ہی مروجہ علوم میں کافی آگاہی حاصل

Marfat.com

کر لی تھی۔ زمانہ کی نیرنگیوں سے مجبور ہو کر وہ عین عالم شباب میں نادر شاہ کے خونی حملہ سے کچھ عرصہ پیشتر محمد شاہ بادشاہ کے دربار میں دہلی پہنچے۔ ہر چند اس رنگیلے بادشاہ کے زمانہ میں ہر چیز یہاں تک کہ سلطنت بھی ''دفتر بے معنی'' سمجھ کر ''غرق مئے ناپ اولیٰ'' ہو جاتی تھی۔ تاہم مولوی عبدالحکیم کے نام کی عزت و شہرت ابھی تک قائم تھی۔ بادشاہ نے کچھ مولوی عبدالحکیم کی عظمت کے لحاظ سے اور کچھ مولوی جان محمد کی ملاقات سے خوش ہو کر بارہ سو روپیہ ماہوار کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ جو تھوڑے ہی عرصہ کے بعد نادر گردی کے زمانہ میں اور اس کے بعد زوال سلطنت کی وجہ سے ضبط ہو گیا۔

مولوی جان محمد بندش وظیفہ کے بعد کوہستان جموں و کشمیر کی طرف چلے گئے۔ اور سیاحت ہند کرتے ہوئے کابل جا پہنچے۔ جہاں اس وقت تیمور شاہ درانی (۱۱۸۶ھ لغایت ۱۲۰۷ھ) کی حکومت تھی تیمور شاہ نے بڑی خاطر کی۔ اور معقول مشاہرہ مقرر کر دیا۔ آپ تھوڑے دنوں کے بعد کابل سے کشمیر چلے آئے اور آخر عمر تک اسی جگہ تعلیم و تدریس میں مشغول رہے۔ اور سری نگر میں کہ کشمیر کا دارالخلافہ ہے وفات پائی۔

مولانا جان محمد کے بیٹے کا نام مولوی محمد الدین تھا۔ سیاہ فارم ہونے کی وجہ سے محمد الدین اسود کے نام سے زیادہ مشہور تھے۔ شیخ محمود تارہ بلی کاشمیری کے شاگرد تھے۔ پشاور جا کر تکمیل علوم کی۔ اور ایک عالم میں شہرت پذیر ہوئے۔ جب کشمیری واپس آئے تو ایام حیات درس و تدریس میں بسر کیے۔ تاریخ کبیر کشمیر میں لکھا ہے بڑے پایہ کے عالم تھے۔ اپنے جد معظم مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کیطرح اکثر کتب تحصیلی پر انہوں نے حاشئے لکھے ہیں۔ ۳۰ ربیع الاول ۱۲۴۳ھ کو سری نگر میں انتقال فرما گئے۔

اسی تاریخ میں ایک اور نامور عالم مولوی قطب الدین کا ذکر الفاظ ذیل کے ساتھ آتا ہے۔ ''مولوی قطب الدین فرزند مولوی محی الدین کشمیری وطناً سیالکوٹی کہ از اولاد

Marfat.com

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی است درعلم ظاہری فرد یکتا بود' مولوی قطب الدین ''اوضح الدلائل'' فی جواب خمسہ مسائل۔ ''تحفتہ الہند'' اور ''ہلال عید'' وغیرہ کتابوں کے مصنف تھے۔ شیخ احمد کاشمیری تارہ بلی سے کہ اپنے زمانہ کے نامور عالم فاضل اور واعظ بے بدل تھے۔ آپ کا اکثر بحث ومناظرہ رہتا تھا۔ کشمیر سے امرتسر چلے آئے وہیں انتقال کیا۔ اور مزار فتح بابا (بیرون شہر) میں مدفون ہوئے۔

ان کے معاصر شیخ احمد تارہ بلی کا انتقال ۱۲۹۰ھ میں ہوا ہے۔ اور مولوی قطب الدین کے ایک شاگرد مولوی احمد اللہ قاسمی نے ۱۳۰۴ھ میں وفات پائی ہے۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ مولوی قطب الدین بھی اسی زمانہ کے قریب ہوئے ہیں۔

۱۳۱۰ھ کے قریب مولوی عبدالحکیم کی اولاد سے مولوی غلام مصطفیٰ کے نام سے ایک بزرگ عالم سیالکوٹ محلّہ میانہ پورہ میں گذرے ہیں۔ ان کے بعد کشمیر اور سیالکوٹ میں مولوی عبدالحکیم کے خاندان میں جہاں منطق وفلسفہ کے چشمے بہتے تھے۔ بحث ومناظرہ سے معلومات علمیہ میں اضافہ ہوتا تھا۔ اور دل ودماغ روشن ہوتے تھے۔ ہو کا عالم نظر آرہا ہے مولوی عبدالحکیم کی شہرت ان کے ذاتی کمالات۔ ان کی ذاتی خوبیوں اور ان کی اعلیٰ تصنیفات کی وجہ سے تھی۔ اس لئے باجود بڑے بڑے انقلابات کے ان کی علمی شہرت و عظمت اب تک قائم ہے۔

رہتا ہے ذوق نام سخن سے ابدتلک
اولاد سے تو ہے یہی دوپشت چارپشت

مولانا کی اولاد کی دوشاخیں ہیں۔ ایک کشمیر میں اور ایک سیالکوٹ میں۔ سیالکوٹ کے قبضہ میں بقول صاحب تاریخ سیالکوٹ صرف ایک چاہ مقبرہ والا ہے۔ جس کیساتھ دوتین گھماؤں اراضی ہے اور ایک دوآم کے درخت سرکار سے بطور معافی ملے ہوئے ہیں۔

Marfat.com

مولوی عبدالحکیم کی تعمیر کردہ عمارتیں

شاہجہان کو تعمیر عمارات کا خاص شوق تھا۔ لاہور۔ آگرہ۔ دہلی۔ کشمیر اور دیگر مقامات پر اب تک عہد شاہجہانی کے کھنڈرات اس بات کا ثبوت دے رہے ہیں کہ یہ ٹوٹی پھوٹی دیواریں۔ یہ شکستہ عمارات۔ عالیشان محلات و تعمیرات کا نشان ہیں

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے　　　کہے دیتی ہے شوخی نقش پاء کی

بادشاہ کی دیکھا دیکھی امراء وزراء بھی عالیشان عمارتیں اور باغات تعمیر کرتے تھے نواب سعد اللہ خاں۔ نواب علی مردان خاں۔ نواب وزیر خاں کی اکثر تعمیرات لاہور۔ دہلی وغیرہ میں کسی نہ کسی حالت میں موجود ہیں۔ مولوی عبدالحکیم ہر چند طبقہ علماء میں تھے لیکن حشمت و تمول اور معقول جاگیر کی وجہ سے امراء ذیشان کا درجہ رکھتے تھے۔ آپ نے بھی اپنے وطن سیالکوٹ میں کئی عمارتیں تعمیر کرائیں۔ جن میں عالیشان ذاتی حویلی کے علاوہ بعض مکانات ایسے بھی تھے جو رفاع عام کے لیے وقف تھے۔ ان میں سے چند ایک کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

مسجد و مدرسہ مولوی عبدالحکیم

یہ عالیشان مسجد بعمارت پختہ اب تک موجود ہے۔ اسی میں مولانا عبدالحکیم کا مشہور مدرسہ بھی تھا۔ جس کی شہرت تمام ہندوستان میں پھیلی ہوئی تھی اسی مدرسہ سے صدہا طالب علم دستار فضیلت لیکر اور فارغ التحصیل ہو کر نکلتے تھے۔ اس زمانہ میں علم بیچا نہیں جاتا تھا۔ اور نہ علم فروشی اور فیس و تنخواہ لینے کی وجہ سے استاد اپنے شاگرد کی نظروں میں اس قدر حقیر سمجھا جاتا تھا۔ مولانا کے مدرسہ میں نادار طلبائے سیالکوٹ کے علاوہ بیرونجات کے مستحق طلباء کو بھی کپڑے کتابیں اور کھانا دارالاقامہ سے ملتا تھا۔

Marfat.com

مسجد کے محراب کے اندر حسب ذیل کتبہ لکھا ہوا ہے۔

تاریخ ہذا۔ المسجد من بانیہ......لہ البیت فی الجنۃ

دوسرے فقرہ سے بنائے مسجد کا سال ۱۰۵۲ھ نکلتا ہے۔ چونکہ مسجد کے ساتھ ہی مدرسہ کا انتظام بھی کیا گیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی سنہ میں آپ نے سیالکوٹ میں اپنا درس بھی جاری کیا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ ان کا ایک ہم مکتب سعد اللہ خاں بڑھتی دولت کی طرح شاہجہان کے دربار میں عروج حاصل کر رہا تھا۔ اور ابھی وزارت عظمیٰ کا عہدہ اس کو نہیں ملا تھا۔

بنائے مسجد کی یہ تاریخ ہمیں ایک اور واقعہ کا پتہ بھی دیتی ہے۔ یعنی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے لاہور اور آگرہ کی سرکاری ملازمت ۱۰۵۲ھ سے پہلے ہی ترک کر دی تھی۔ اس لیے کہ ۱۰۵۲ھ میں جب انہوں نے اپنا درس جاری کر دیا ہے تو پھر سیالکوٹ سے بہت کم باہر نکلے ہیں۔ البتہ جاگیردار یا علمائے دربار کا رکن بلکہ ملک العلماء ہونے کی وجہ سے بادشاہ کی دعوت پر کبھی دہلی اور کبھی لاہور تک چلے جاتے تھے۔

مسجد کی کچھ زمین دروازۂ مسجد کے باہر عرصہ دراز سے سفید پڑی ہوئی تھی۔ ایک خیر مجسم بزرگ مستری قادر بخش (مولوی محمد ابراہیم صاحب میر۔ سیالکوٹی کے والد۔) مرحوم کاشمیری نے کمیٹی سے خرید کر مسجد کے نام وقف کر دی تھی۔ ۱۹۱۹ء میں یہ زمین صحن مسجد میں شامل کر کے مسجد کی توسیع کی گئی (مولوی عبدالحکیم صاحب محافظ دفتر ضلع سیالکوٹ (سکنہ نارووال) نے جو اس مسجد میں نماز جمعہ بھی پڑھاتے ہیں۔ عام چندہ سے مسجد کو بارونق بنایا ہے۔ سنا ہے آپ مسجد میں درس بھی دیتے ہیں۔ صحن میں ایک فوارہ دار حوض تیار ہوا ہے جو پانی سے لبریز رہتا ہے۔ یہ مسجد محلہ میانہ پورہ میں واقع ہے۔ اسی محلّہ میں مولانا عبدالحکیم کے رہائشی مکانات بھی تھے۔ جن میں سے اب کسی کا نشان تک بھی نہیں ہے۔ میانہ پنجابی زبان میں مسجد کے ملا کو کہتے ہیں۔ اور چونکہ یہاں مدرسہ اور مولانا کی رہائش کی وجہ سے

Marfat.com

اکثر طالبان علم اور درویش اور ملا لوگ رہتے تھے اس لیے اس جگہ کا نام ہی میانہ پورہ مشہور ہو گیا۔ اور یہ نام مولانا عبدالحکیم کے زمانہ ہی سے چلا آتا ہے۔

حمام ومسافر خانہ مولوی صاحب

تالاب (جس کا ذکر آگے آتا ہے) کے متصل ہی مولوی عبدالحکیم نے ایک حمام اور مسافر خانہ تعمیر کرایا تھا۔ یہ عالیشان عمارتیں جو سیالکوٹ کی عظمت وشہرت کا باعث تھیں۔ ''در و دیوار شکستہ'' کی صورت میں ابتدائے عہد انگریزی تک موجود تھیں۔ ۱۲۷۵ھ میں جس کو آج ۱۳۴۱ھ میں چھیاسٹھ سال کا عرصہ ہوتا ہے سرکار انگریزی نے دیواریں گرا کر اس جگہ شفا خانہ یعنی خیراتی ہسپتال بنا دیا ہے۔ (جو کہ سول ہسپتال کے نام سے مشہور تھا۔ پھر بعد میں شہر سیالکوٹ کی مشہور سماجی ورفاہی شخصیت الحاج سیٹھ محمد بشیر مرحوم نے اپنی والدہ کے نام سے ہسپتال کی ازسر نو جدید طرز پر تعمیر شروع کی اور اس کا نام سردار بیگم ہسپتال اپنی والدہ کے نام پر رکھا۔ اس ہسپتال میں دور جدید کے تقاضوں کے مطابق تمام مشنری اور سہولیات فراہم کی گئی ہیں۔ اس کے بعد الحاج سیٹھ محمد بشیر مرحوم نے ہسپتال کے ساتھ دوسرا بلاک اپنے والد شمس مرحوم کے نام سے الشمس بلاک تعمیر کروایا ہے جس میں دل کے امراض کے متعلق تمام سہولیات فراہم کی گئی ہیں تاکہ اہل سیالکوٹ اس سے استفادہ حاصل کر سکیں۔ الحاج سیٹھ محمد بشیر مرحوم کے تفصیلی حالات تو مکمل طور پر معلوم نہیں ہو سکے جو کہ درج کیئے جاسکیں مگران کے بارے میں عوام الناس سے یہ پتہ ضرور چلتا ہے کہ موصوف نہایت خدا ترس، مشفق اور دیندار تھے۔ آپ نے اپنی زندگی میں بے شمار غرباء کی امداد کی، مساجد کی تعمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مدارس کی تعمیر اور ترقی میں پیش پیش رہے۔ بلکہ علامہ عبدالحکیم علیہ الرحمہ کی تعمیر کردہ جامع مسجد جو کہ علامہ صاحب کے نام سے ہی مشہور ہے اور شہر کے وسط میں تحصیل بازار میں جامع مسجد علامہ عبدالحکیم علیہ الرحمہ کے نام سے مشہور ہے

Marfat.com

اس کی از سرِ نو تعمیر میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور بیش تر حصہ کی تعمیر کے لیے وافر رقم بھی فراہم کی۔ انشاء اللہ الحاج سیٹھ محمد بشیر صاحب مرحوم کے حالات آئندہ ایڈیشن میں تفصیل کے ساتھ معلوم کر کے درج کر دیئے جائیں گے۔)

باغ مولوی صاحب

تالاب سے مغرب کی جانب مولوی عبدالحکیم نے ایک وسیع اور دلکشا باغ تعمیر کرایا۔ جس کے چاروں طرف ایک بلند فصیل بعمارت پختہ باغ کی حفاظت کے لیے بنوائی گئی۔ باغ میں ہر قسم کے اشجار ثمر دار موجود تھے۔ سیر و سیاحت کی تو ہر ایک کو اجازت تھی مگر اثمار شیرین ولذیذ سے وہی لوگ مستفیض ہو سکتے تھے جو مدرسہ میں پڑھتے تھے۔ یا مسافر خانہ میں عارضی طور پر قیام کرتے تھے۔

اللہ اکبر۔ کیا زمانہ تھا۔ کیا دن تھے۔ باغ میں نہریں چل رہی ہوں گی۔ ہر کیاری پھولوں سے لدی ہوگی۔ مولانا طالب علموں کے جھرمٹ کے ساتھ باغ میں آتے ہوں گے اور باغ باغ ہوتے ہوں گے۔ باغ کی چاردیواری کے اندر نشست گاہیں ہوں گی۔ چبوترے ہوں گے ہاں بارہ دریاں ہوں گی۔ انہیں سنگ مرمر۔ سنگ سیاہ۔ سنگ زرد۔ سنگ ابری اپنی اپنی بہار دکھاتے ہوں گے۔ افسوس اب نہ باغ ہے نہ فصیل۔ نہ کوئی بارہ دری نہ عمارت

ہر روش خاک اڑاتی ہے صبا میرے بعد

راقم الحروف ۱۹۲۰ء میں وہاں گیا۔ ایک دو آموں کے درخت نظر آئے۔ ایک کنواں جاری تھا۔ اور اس کے ساتھ کچھ مزروعہ اراضی تھی۔ اسی جگہ مولانا کی قبر بھی ہے۔ پوچھا مولانا کا باغ کہاں ہے؟ جواب ملا! یہی باغ ہے جہاں تم کھڑے ہو۔ اور جہاں یہ کھیت نظر آ رہے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

Marfat.com

عیدگاہ مولوی صاحب

مولوی عبدالحکیم نے ایک عالیشان اور وسیع عیدگاہ تعمیر کرائی۔ جس کے چاروں طرف بلند اور چونہ گج عمارت تھی۔ عیدگاہ کا دروازہ اور اس کی پیشانی اسی قسم کے نقش ونگار اور خوبصورت بیل بوٹوں سے آراستہ تھی جس طرح لاہور کی مسجد وزیر خاں اور گلابی باغ اور باغ چوبرجی کے دروازوں کی پیشانیاں اب تک منقش نظر آ رہی ہیں۔ عیدگاہ کے چاروں دروازوں پر نہایت بلند مینار تھے۔ عیدگاہ کا صحن اس قدر وسیع تھا کہ اس میں ہزار ہا آدمی بہ آسانی نماز پڑھ سکتے تھے۔

بہ مرور ایام۔ دیوار اکثر جگہ سے شکستہ ہوگئی۔ ۱۲۸۷ھ میں سید وزیر علی ڈپٹی اور میر اسد علی سیالکوٹ میں نائب تحصیلدار تھے۔ انہوں نے کچھ روپیہ اپنے پاس سے دیا اور کچھ شہر کے مسلمانوں سے لیا۔ اور عیدگاہ کی مرمت کراوی جو "ہزار غنیمت سمجھی جاتی ہے۔

تالاب مولوی صاحب

مولوی عبدالحکیم غرباء کی مدد کئی طریقوں سے کرتے تھے۔ طالب علموں کا خرچ برداشت کر کے علم جیسی انمول نعمت ان کو بلا قیمت دینا یہ بھی ایک طرح کی بیش قیمت مدد تھی۔ قابل مدد شرفاء کو نقد وجنس کی اعانت سے مالا مال کرتے تھے۔ جب قحط پڑتا تھا اور مفلوک الحالوں کی تعداد حدوحساب سے زیادہ ہو جاتی تھی۔ تو ان کی مدد معاش کے لیے تعمیرات کا کام جاری کر دیتے تھے۔ چنانچہ ان کی بہت سی تعمیرات ان کی فیاضیوں۔ سر چشمیوں اور غربا پروریوں کا ایک بہانہ تھیں۔ انہی میں ان کا وسیع وعمیق اور عالیشان تالاب بھی ہے جو مسجد سے کچھ فاصلہ پر ہے اور جس سے آج تک اہل شہر مستفیض ہو رہے ہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ یہ تالاب لاکھوں روپیہ کی لاگت سے بنا تھا۔ اس میں دریائے چناب سے ایک نہر آتی تھی۔ جس کے مٹے ہوئے نشان اب بھی کہیں کہیں پائے جاتے ہیں۔

Marfat.com

مولانا کی وفات کے کچھ عرصہ بعد جب سکھا شاہی دور آیا۔ تو تالاب کی ملحقہ عمارتیں اور برجیاں اور پل مسمار ہو کر زمین کے برابر ہو گئے۔

غدر ۱۸۵۷ء کی شورش میں ہندوستان کے ہر مشہور شہر کو کچھ نہ کچھ نقصان پہنچا۔ چھاؤنی سیالکوٹ میں بھی ہل چل اور لوٹ مچی۔ مگر پھر بھی بہت بچاؤ رہا۔ البتہ مولوی عبدالحکیم کے تلاب کی سنی گئی۔ جو برسوں سے مسمار و ویران چلا آتا تھا۔

چھاؤنی کے لٹ جانے کی وجہ سے سرکار انگریزی نے بطور سیاست اہل سیالکوٹ پر پچاس ساٹھ ہزار روپیہ جرمانہ کیا جو وصول کر کے داخل خزانہ کیا گیا۔ لیکن جب بعد میں سرکار کو معلوم ہوا کہ فتنہ انگیز اور شورش پسند معدودی چند تھے۔ تمام شہر وفادار اور خیر سگال رہا ہے۔ تو حکم ہوا کہ جرمانہ واپس کر دیا جائے۔ اس زمانہ میں ڈپٹی میر قائم علی (میر نذر الباقر صاحب کوہاٹ اور میر فیض عسکری صاحب پنشنر ڈپٹی سرگودہا آپ ہی کے پوتے ہیں) سیالکوٹ میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر تھے۔ انہوں نے شہر کے معززین اور چوہدریوں کو سمجھایا۔ کہ اگر تم یہ رقم واپس لے لو گے۔ تو کسی کو دو ملیں گے۔ کسی کو چار۔ کسی کو دس۔ اور یہ سب قریباً بیکار جائیں گے۔ لیکن اگر اس روپیہ سے مولوی صاحب والے تالاب کی صفائی اور مرمت کرا دی جائے تو اس چشمۂ فیض سے سیالکوٹ کے سب لوگ بلاتمیز مذہب وملت مستفیض ہو سکتے ہیں۔ سب نے اس رائے کو پسند کیا۔ اور غدر ۵۷ء کا جرمانہ تالاب کی کھدائی اور مرمت پر خرچ کیا گیا تالاب کے درمیان ایک کنواں تھا۔ اور وہاں تک ایک پختہ پل بنا ہوا تھا۔ مگر مرمت کے وقت وہ پل نکال کر کنواں بند کر دیا گیا۔ تالاب چونکہ شہر سے بالکل ملحق ہے اس لیے سارا دن وہاں عورتوں اور مردوں کا ہجوم رہتا ہے۔ تالاب کی غربی جانب میونسپل کمیٹی نے مستورات کے لیے ایک پردہ دار گھاٹ بنا دیا ہے۔

Marfat.com

مولوی عبدالحکیم اور علماء مشائخ اور مؤرخین

مولوی عبدالحکیم کا پایۂ علم وفضل میں کس قدر بلند تھا۔ اوران کی علمی شہرت اور علمی زندگی ہندوستان کے علماء و مشائخ اور مؤرخین میں کس عزت کی نظر سے دیکھی جاتی تھی۔ اس کے متعلق ہم کو چند تاریخوں کی ورق گردانی کرنی پڑے گی۔

مولانا ابوالفیض کمال الدین شیخ محمد احسان مجددی رحمۃ اللہ علیہ نے مولوی عبدالحکیم کی وفات کے قریباً ایک سو سال کے بعد روضۃ القیومیہ نام ایک کتاب ۱۱۶۴ھ کے قریب لکھی ہے۔ جس میں حضرت مجدد الف ثانی قیوم اول اوران کے صاحبزادہ نام محمد معصوم قیوم ثانی اور باقی دونوں حضرات قیوم ثالث و قیوم رابع کے مفصل حالات لکھے ہین۔ اور وہ خود بھی چونکہ حضرت مجدد الف ثانی کی اولاد سے ہیں۔ اس لیے وہ کتاب نہایت معتبر سمجھی جاتی ہے۔ مولانا ابولفیض روضۂ قیومیہ میں مولانا عبدالحکیم کے متعلق لکھتے ہیں۔ ''مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی علمائے وقت کے بادشاہ اور تصانیف عالیہ کے مالک تھے۔ انہوں نے ہر علم میں کوئی نہ کوئی کتاب ضرور تصنیف کی ہے۔ جسے طالب علم تحصیل علم کے آخری درجہ میں پڑھتے ہیں۔ اور انہوں نے ہرایک کتاب پر حاشیہ لکھا اور شرح کی ہے۔ جس سے طلباء فوائد کثیرہ حاصل کرتے ہیں۔ بلکہ آپ کی شرح اور حواشی بغیر وہ کتاب حل ہی نہیں ہو سکتی''۔

مولانا غلام علی آزاد بلگرامی جو خود بھی ایک عالم اجل۔ فاضل یکتا۔ مورخ بےنظیر اور اہل اللہ بزرگ محمد شاہ بادشاہ غازی کے زمانہ میں ہوئے ہیں۔ اپنی کتاب مآثر الکرام کے طبقۂ علماء میں مولانا عبدالحکیم کے متعلق لکھتے ہیں۔ علامۂ زمان وافتخار زمانیاں است۔ الحق در جمیع فنون درسی مثل او از زمین ہند نہ برخاست''۔ اسی قسم کے خیالات میر غلام آزاد بلگرامی نے اپنی عربی نصیف سبحۃ المرجان میں ظاہر کیے ہیں۔ تاریخ سیالکوٹ صمدی کا مصنف لکھتا ہے۔ ''اکابر علماء وفضلاء میں ان کا شمار تھا۔ علم کے بحر مواج اور خدا

Marfat.com

پرستی و دین پروی کے سراج تھے۔''مولوی محمدالدین لاہوری مولوی فاضل کہ اکثر عربی۔فارسی اور اردو کتب کے مصنف اور لاہور کے ممتاز علماء میں درجۂ اختصاص رکھتے ہیں۔روضۃ الادباء میں لکھتے ہیں۔مولانا عبدالحکیم علوم عقلیہ ونقلیہ میں یگانۂ زمان اور فہامۂ دوران ہوئے ہیں۔سیالکوٹ ان کا وطن تھا۔اس لیے فاضل سیالکوٹی کے نام سے مشہور ہوئے۔آثار خیر کے مصنف لکھتے ہیں۔''ہندوستان کے مشہور علماء فصلاء میں ان کا شمار ہوتا ہے''۔تاریخ بندوبست سیالکوٹ کے ہندو مصنف ڈپٹی امین چند لکھتے ہیں۔''یہ شخص بڑا عالم فاضل ہوگذرا ہے جس کی تصنیفات میں سے کئی کتابیں زبان عربی میں موجود ہیں''۔

مولانا محمد ہاشم جو مولانا عبدالحکیم کے ہم مکتب حضرت مجدد الف ثانیؒ کی ارشد مریدوں میں تھے۔اپنی کتاب زبدۃ المقامات میں مولانا کے متعلق اپنے وقت کے شیخ المشائخ۔پیر طریقت۔واقف رموز شریعت حضرت مجدد الف ثانیؒ کے الفاظ ذیل میں نقل کرتے ہیں۔''مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی علوم عقلیۂ ونقلیۂ میں تصانیف عالیہ رکھتے ہیں۔اس وقت دیار ہند میں ان کا کوئی نظیر نہیں ہے''۔خدائق الحنیفہ میں مولانا فقیر محمد جہلمی آپ کے تذکرہ کے دوران میں لکھتے ہیں۔''بڑے عالم فاضل فقیہہ محدث مفسر۔خصوصاً علم معقولات میں طاق۔یگانہ آفاق۔اور صاحب تصانیف علیۂ تھے۔آپ کے فتاوۓ پر علمائے ہند و پنجاب سے کسی کو چون وچرا کی طاقت نہ ہوتی تھی''۔

اکبری۔جہانگیری اور شاہجہانی عہد میں جس قدر علماء وصوفیا نامور ذی علم اور اہل کمال گزرے ہیں۔سب آپ کا ادب وحترام کرتے تھے۔اس وجہ سے نہیں کہ آپ استادالجن تھے۔بلکہ محض اس لیے کہ ایک عالم کی دوات کی سیاہی ایک شہید کے خون کے قطرہ سی زیادہ قیمتی ہے۔آپ کی علمی شہرت وعظمت کے آگے تمام علماء کی گردنیں خم تھیں۔اور خود شاہان عصر بھی آپ کی اور آپ کے سینے میں جو گنج علم فراواں تھا اس کی توقیر کرتے تھے۔

Marfat.com

تمام تذکروں اور تاریخوں میں علامہ عبدالحکیم کا ذکر ملا عبدالحکیم کے نام سے درج ہے۔ ہم نے بھی اس کتاب میں کہیں کہیں اس لفظ کا استعمال کیا ہے۔ اس لیے اس کی تشریح ضروری معلوم ہوتی ہے۔

اس زمانہ میں ملا ان ملاؤں کونہیں کہتے تھے جو آج کل مسجدوں میں نظر آ رہے ہیں اور جن کو اہل محلہ اپنا غلام سمجھ رہے ہیں۔ ملا۔ درحقیقت انتہائے علم کے ایک درجہ کا نام تھا۔ ملا عبدالقادر بدایونی اور ملا ابولفضل کو جانتے ہو۔ جن میں پہلا نہ صرف اکبر کا امام تھا بلکہ اس کے عہد کا بے خوف و بے باک مورخ تھا۔ دوسرا اکبر جیسے شہنشاہ کا وزیراعظم تھا۔ نواب سعداللہ خاں اپنی ملازمت شاہجہانی کے ابتدائی ایام میں ملا سعداللہ لاہوری کے نام سے مشہور تھا۔ علامہ عبدالحکیم کے استاد مولانا کمال کو بھی اکثر کتابوں میں ملا کمال لکھا ہے۔ یہ اس قسم کے ملا تھے۔ جن کے مقدس ناموں پر جن کے کمال علم و فضل پر جن کی اعلیٰ تصنیفات پر آج مسلمانان ہند کو فخر و ناز ہے۔

مولوی عبدالحکیم کی تصنیفات

مولوی عبدالحکیم کی تصانیف کی صحیح اور مکمل تعداد کسی تاریخ سے معلوم نہیں ہوسکی انہوں نے زیادہ تر منطق و فلسفہ کی ادق تریں عربی کتابوں کے حاشئے اوران کی شرحیں لکھی ہیں۔ صرف ایک کتاب غنیۃ الطالبین ایسی بتائی جاتی ہے جس کو آپ نے عربی سے فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔ باقی آپ کی تمام تصانیف۔ حاشیے اور شرحیں عربی زبان میں ہیں۔

مآثر الکرام میں آپ کی تصانیف کے متعلق لکھا ہے۔ ''تصانیف اودر بلاد عرب و عجم سائر دائرست'' صاحب روضۃ الادباء لکھتے ہیں۔ ''تصنیفات آپ کی بہت مفید ہیں۔ اور اہل علم ان کو بہت پسند کرتے ہیں''۔ چنانچہ آپ نے خیالی کا جو حاشیہ لکھا ہے۔ اس کے متعلق کسی کا یہ شعر مشہور ہے۔

Marfat.com

خیالات خیالی بس عظیم است   برائے حل او عبدالحکیم است

علاوہ ازیں تفسیر بیضاوی۔ مطول پر حاشیہ اور عبدالغفور کا تکملہ آپ نے نہایت قابلیت سے لکھا ہے۔

مختلف کتابوں کی ورق گردانی سے آپ کی تصانیف کی جو تعداد معلوم ہو سکی ہے ان کی تفصیل ذیل میں درج ہے:۔

(۱) حاشیۂ تفسیر بیضاوی۔ (۲) حاشیۂ مطول (۳) حاشیۂ عبدالغفور (مولانا عبدالغفور لاری مولانا عبدالرحمٰن جامی کے مرید تھے۔ اور ایسے کامل مرید تھے کہ مرشد کا ان کے متعلق قول تھا کہ "ایک ہی مرید عبدالغفور لاوی ہزار مریدوں سے بہتر ہے"۔ آپ کے حق میں مولانا جامی اکثر یہ شعر فرمایا کرتے تھے

آنجا کہ فہم و دانش مرغے بود شکاری
بازے ست تیز رفتاں عبدالغفور لاری

(شرح ملا اور نفحات الانس کے آپ نے حاشیے لکھے۔ شرح ملا کا صرف بحث مفردات تک ہی حاشیے لکھنے پائے تھے کہ انتقال ہو گیا۔ آخر مولوی عبدالحکیم نے اس کا تکملہ اس تطبیق کے ساتھ تصنیف کیا کہ ہرگز تمیز نہیں ہو سکتی کہ مولانا عبدالغفور نے حاشیہ کہاں تک لکھا ہے۔ اور مولانا عبدالحکیم نے کہاں سے شروع کیا ہے۔ مولانا عبدالغفور کا ۵ شعبان بروز یکشنبہ ۹۱۲ھ کو انتقال ہو گیا۔) (۴) حاشیۂ شریطیہ (۵) حاشیۂ شرح مواقف (۶) حاشیۂ مقدمات تلویح (۷) حاشیہ شرح عقائد تفتازانی (۸) حاشیۂ حاشیۂ خیالی (اصل نام احمد بن موسیٰ البشیر بالخیالی۔ شمس الدین لقب تھا۔ ابتدائی علوم اپنے باپ سے پڑھے پھر مولے مشضو یک سے استفادہ کر کے شہر بروصہ کے مدرسہ سلطانیہ کے مدرس ہوئے۔ وزیر محمود پاشا نے سلطان محمد خاں فرمانروائے ٹرکی سے آپ کے صاحب کمال ہونے کا ذکر کیا۔ اور کہا کہ ان کو مدرسہ زنیق میں مدرس اعلیٰ مقرر کر دیا جائے۔ تو انسب ہوگا۔ خلیفہ نے کہا۔ خیالی

Marfat.com

وہ شخص تو نہیں ہے جس نے شرح عقائد پر حواشی لکھے ہیں۔ وزیر نے کہا۔ ہاں وہی خیالی ہے۔ خلیفہ نے فرمایا۔ بیشک ایسی اعلیٰ اور اچھی جگہ ایسے ہی قابل کو ملنی چاہیئے۔ وزیر نے خیالی کو اس خوشخبری سے اطلاع دی۔ اس نے کہلا بھیجا۔ میں حج کا ارادہ کر چکا ہوں۔ بشرط خیریت واپس آنے کے بعد اس مدرسہ کی خدمات انجام دوں گا وزیر نے کہا۔ پھر موقع نکل جائے گا۔ خیالی نے جواب دیا۔ اگر وزیر اپنی وزارت اور سلطان اپنی سلطنت بھی دیدے تو میں اپنے اس مبارک ارادہ کو ترک نہیں کر سکتا۔ چنانچہ حج سے واپس آنے کے بعد وہ اسی مدرسہ کے مدرس ہوئے۔ بعمر ۳۳ سال کہ عین جوانی کا عالم تھا۔ ۸۷۰ھ میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ آپ بڑے نحیف البدن تھے۔ رات دن میں صرف ایک مرتبہ کھانا کھاتے۔ اور ہمیشہ علم و عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ شرح عقائد نسفی پر آپ نے نہایت قابلانہ مگر مختصر حواشی تحریر کیے ہیں۔ جو متداول بین الدرس والتدریس ہیں۔ لیکن بعض مواقع پر اس دقت کو کم فرمایا ہے کہ بڑے بڑے علماء اس کے حل کرنے میں حیران رہ جاتے ہیں۔ اس لئے ان حواشی کا حاشیہ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے ایسا عمدہ لکھا کہ تمام مشکلات و مفصلات کو حل کر کے طلباء کے لئے آسان کر دیا۔

آپ کے ایک شاگرد اسماعیل بن بالی قرامانی (کمال الدین لقب المعروف قرہ کمال وفات ۹۳۰ھ) نے بھی آپ کے حاشیہ شرح عقائد کی شرح ۹۲۹ھ میں لکھی۔ لیکن مولانا عبدالحکیم کی شرح جب مشہور ہوئی تو اس کا فروغ جاتا رہا۔)

(۹) حاشیۂ شرح شمسیۂ وقطبی میر (۱۰) تکملہ عبدالحکیم شرح جامی (۱۱) حاشیۂ شرح مطالع (۱۲) حاشیۂ شرح عقائد ملا جلال دوانی (۱۳) درۂ ثمینیہ در ثبات واجب الوجود (۱۴) حواشی در کنار شرح حکمۃ العین (۱۵) حواشی در کنار شرح ہدایہ حکمت (۱۶) حواشی در کنار شرح الارواح (۱۷) ترجمہ غنیۃ الطالبین تصنیف حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی (عربی سے فارسی میں) (۱۸) شرح تہذیب محشیٰ۔ اس کی شرح مفتی عبداللہ و شیخ الاسلام نے بھی لکھی

Marfat.com

ہے۔لیکن مولوی عبدالحکیم نے جو شرح لکھی ہے اس کو سب پر فوقیت ہے (۱۹) القول المحیط۔ یہ رسالہ تحقیق جعل مرکب وجعل بسیط علم منطق میں ہے (۲۰) کتاب مشہور (۲۱) دلائل التجدید (حضرت مجدد الف ثانی کے دعوئے کی تائید میں (۲۲) سیالکوٹی التصورات (علم منطق میں)

مولوی عبدالحکیم نے جو شرحیں لکھیں اور جو حواشی مختلف ادق کتابوں کے تحریر کئے۔انہوں نے آپ کی شہرت وعظمت کو علمائے عصر میں ممتاز جگہ دی۔مگر اس زمانہ میں ایسے علماء بھی موجود تھے جس کو آپ کے خیالات سے اختلاف تھا۔علم کلام۔علم نحو اور فلسفہ و الہیات میں جو کچھ آپ لکھتے تھے۔علماء اس کو تسلیم کرنے پر مجبور نہیں تھے۔مولانا اپنی خیالات آزادی سے ظاہر کرتے اور لکھتے تھے۔اور دیگر علماء بھی ان سے اختلاف کرتے میں پوری جرأت و بے باکی سے کام لیتے تھے۔

ملا عبدالرزاق باانڈے کشمیر کے جلیل القدر عالم معقولات میں بے نظیر تھے۔شرح تجرید کا حاشیہ لکھا تو شاہجہان نے ازراہ قدردانی مدرسۂ کابل کا مدرس مقرر کر کے افغانستان بھجوایا۔ کتاب محاکمات کارد لکھتے لکھتے دماغ میں خلل آ گیا۔اور اپنے آپ کو زخمی کر دیا۔آخر عمر میں کشمیر چلے آئے۔اور وہاں انتقال کیا۔مولانا عبدالحکیم کے اکثر حواشی کے رد آپ نے لکھے ہیں۔اور چونکہ ملا عبدالرزاق اور مولانا عبدالحکیم کا زمانہ ایک ہی تھا اس لیے ممکن ہے لاہور۔سیالکوٹ یا دہلی کسی مقام پر آپس میں ملاقاتیں بھی ہوئی ہوں اور وہ باتیں جو کاغذوں پر تحریر ہوتی تھیں زبانوں پر بھی آ گئی ہوں۔

ملا عبدالرزاق کے بعد کشمیر میں ایک اور یگانہ روزگار عالم کے نام نظر آتا ہے۔جس نے ملا عبدالحکیم کے اکثر حواشی کا رد لکھا۔اور ان کے خیالات کی تردید کی ہے۔

ملا ابوالحسن مصروف بہ شاہم بابا تھا۔ ملا یوسف گنائی کاشمیری (وفات ۱۱۸۴ھ کا قول ہے کہ جب ناظمان خطہ کشمیر علماء کا مباحثہ کراتے تھے۔تو آپ تفسیر بیضاوی اور حاشیہ

Marfat.com

عصام وغیرہ کی عبارتیں اس طرح بے تکلف اور بے تکان پڑھتے تھے جس طرح قرآن کے حافظ قرآن کو پڑھتے جاتے ہیں۔

مولانا عبدالحکیم کی تین خاص تصانیف

مولوی عبدالحکیم کی بیس ۲۰ تصانیف کا ہم قبل ازیں ذکر کر چکے ہین۔ان کی تمام تصانیف علم نحو۔علم کلام۔علم منطق اور فلسفہ والٰہیات میں ہیں۔ان پر تبصرہ وتنقید کرنا اور اس قسم کے اہل علم کی مجلسوں کے بحث ومناظرہ پر رائے لکھنا تو بڑی قابلیت بڑے دماغ اور بہت بڑے منطقی وفلسفی کا کام ہے جو عربی کے ہر علم پر حاوی ہو۔لیکن یہ زمانہ تو اس قسم کی تاریکی کا ہے کہ ان کتابوں کے پڑھنے اور سمجھنے والے بھی شاید ہندوستان میں دارالعلوم دیوبند۔ندوۃ العلماء لکھنو۔مدرسہ نعمانیہ لاہور یا اسی قسم کی چند اور عربی درسگاہوں میں نظر آسکیں گے۔

ان حالات میں مولانا عبدالحکیم کی تصانیف کی تعداد بتا دینے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔لیکن ''سوانح ملک العلماء مولوی عبدالحکیم'' کی خوش قسمتی سے مولانا مولوی محمود علی صاحب ایم۔اے۔ایم او ایل پروفیسر رندھیر کالج کپورتھلہ نے یہ اہم کام اپنے ذمہ لیا۔اور ان کی تین تصانیف پر جو علم نحو۔علم منطق اور علم کلام کے متعلق ہیں ذرا تفصیل سے بحث کی۔

مولانا محمود علی نے جس قابلیت سے مولانا عبدالحکیم کی ان تین کتابوں کے نفس مضمون۔بحث مباحثہ اور طرز تحریر پر شبدیز قلم کی جولانیاں دکھائی ہیں۔اور اس زمانہ کے طرز تصنیف پر جس خوبی سے بحث کی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ یہ کام کسی اور سے مشکل تھا۔اور اگر آسان بھی ہوتا۔تو کسی کو کیا ضرورت تھی کہ ان ضخیم کتابوں کا مطالعہ کرتا۔منطق ونحو کی پیچیدگیوں اور الجھنوں میں مبتلا ہوتا۔اور اپنے آرام کو حرام کرتا۔یہ خون جگر تو وہی کھاتا ہے جس کو بزرگان سلف کا نام نیک قائم رکھنا منظور ہو۔جو علمائے سلف کی منطقی وفلسفی بحثوں کے ٹکڑے بطور تبرک بانٹنا کار ثواب جانتا ہو۔اور جس کو مولانا عبدالحکیم کے علوم حکمیہ و

Marfat.com

الٰہیات کا کچھ علم ہو۔

قبل اس کے کہ ہم مولوی محمود علی صاحب نے جو مولانا عبدالحکیم کی تین خاص تصانیف پر عالمانہ تبصرہ کیا ہے درج کریں ایک نظم جو مولانا عبدالحکیم کے فضائل پر ہم کو موصول ہوئی ہے درج ذیل کرتے ہیں:۔

نظم در فضائل علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی مرحوم

جب میں نے پہلے پہل ۱۹۱۹ء میں علامہ سیالکوٹی کے سوانحات عمر لکھنے کا ارادہ کیا تو سیالکوٹ۔امرتسر۔جہلم۔لاہور اور ڈھاکہ کے خاص احباب سے جو علامۂ مرحوم کے فضائل و مراتب سے آگاہ تھے۔اس کتاب کی تصنیف میں کچھ مدد طلب کی۔اسی سلسلہ میں میرے دوست ملک محمد صاحب قادری۔ٹھیکہ دار جہلم نے چند ابیات مولانا مرحوم کے متعلق ارسال کیئے۔جو ذیل میں شکریہ کے ساتھ درج کئے جاتے ہیں:۔

کلک من سر بہ خم شد از تسلیم   بہ ثنائے جناب عبد حکیم
شیخ سنت امام فقہا بود   آں مفسر کلام رب غفور
بر زبانش رموز قرآنی   در بیانش علوم یزدانی
در فروع و اصول گفت سخن   فقہ را از و چراغ شد روشن
چوں قلم در بیان فلسفہ راند   منطقی را مجال نطق نہ ماند
پیرو اجتہاد نعمانیؒ   ہم سبق با امام ربانیؒ
در اصول و فروع نکتہ شناس   منطق و فقہ را بلند اساس
در تصانیف برترش پایۂ   ہمہ ش کس نبود و ہمسایۂ
ترجمان حقیقت قرآں   فخر احناف و مقتدائے زماں
گشت سلکوٹ جائے آرامش   در ہمہ ہند سکۂ نامش

Marfat.com

صدر اسلامیان و شیخ الکل رہنمائے طریق ختم رسل

شمع اسلام و افضل الفضلاء فخر فقہا ء و زینت علماء

فوق را ذوق باد و قلب سلیم کہ نویسد حیات عبد حکیم

مرغ طبعم پرو بہ اوج بلند نظم موزون آورد بہ کمند

لیک قاصرز وصف مولانا معترف عجز خویش سرتاپا

اے ملکؔ زین سخن زبان دربند

روح اوراکن از دعا خورسند

حاجی محمد سعید اور علامہ عبدالحکیم

تذکرہ اکابر اسلام میں لکھا ہے۔حاجی محمد سعید ایک بڑے عالم فاضل اور قناعت پیشہ بزرگ تھے۔ان سے نہایت ادنے درجہ کے لوگ جو شرافت ونجابت کے علاوہ علم میں بھی ان کی برابری نہ کر سکتے تھے۔ان کے سامنے اپنی چالاکیوں اور زمانہ سازیوں سے بڑے بڑے مراتب پر پہنچ کر مالا مال ہو رہے تھے۔مگر انہوں نے کبھی اس کی پرواہ نہ کی۔ علامہ عبدالحکیم اور نواب سعداللہ خاں وزیر کہ دونوں ہم مکتب اور علم و فضل میں یکساں درجہ رکھتے تھے۔اور حاجی محمد سعید کے کمالات کے بھی معترف تھے۔شاہجہان کے حکم سے حاجی محمد سعید کے پاس آئے اور اصرار کیا کہ بادشاہ بلاتا ہے۔آپ ضرور تشریف لے چلیں۔ایک اعلیٰ عہدہ بھی آپ کے سپرد ہونے والا ہے۔مگر آپ نے بادشاہ کے پاس جانے اور ملازمت قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔علامہ عبدالحکیم مجبور ہوکر ناکام واپس چلے آئے۔(اور کیا عجب ہے ان دونوں صاحبوں نے ہی بادشاہ کے پاس حاجی صاحب کا ذکر کیا ہو۔یہ نہیں معلوم ہوسکا۔حاجی صاحب سیالکوٹ میں تھے یا لاہور میں رہتے تھے۔)

Marfat.com

شیخ سعدی کی گلستاں اور علامہ عبدالحکیم

کارنامہ میں لکھا ہے۔ایک دن نماز ظہر کے بعد مولوی عبدالحکیم سیالکوٹی سر بزانو بیٹھے تھے کہ ایک شاگرد نے اس فکر و تردد کا سبب پوچھا۔ کہا۔ شیخ سعدی کے اس فقہ از بستر زمش بر خاکستر گرمش'' کے جواب کا کوئی فقیرہ سوچ رہا تھا۔ دماغ نے بہت چکر کھائے۔ مگر کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔

(میرے والا صاحب قبلہ فرماتے ہیں ہمارے استاد مولوی امام بخش مرحوم (آج سے قریباً پچاس سال پیشتر) ایک قلمی وغیر مطبوعہ کتاب کارنامہ ہمیں پڑیا ہا کرتے تھے۔اس کتاب میں ندرت گلستاں کے اس اعتراف کا ذکر ہے جو سطور بالا میں درج کیا گیا ہے۔ابوالفضل نے بھی شیخ سعدی کے اس فقرہ ''اسم بے جو بود ونمد زین بگرد'' پر لکھا ہے میری ساری انشاپردازی ان چند الفاظ کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔)

تبصرہ

مولانا محمود علی نے علامہ عبدالحکیم کی تین خاص تصانیف پر جو تبصرہ کیا ہے۔ وہ حسب ذیل ہے اور درحقیقت یہی تبصرہ اس مختصر سی کتاب کی جان ہے:۔

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ (جن کو ممالک غیر کے علماء اپنی تصانیف میں ''فاضل لاہوری'' کے نام سے یاد کرتے ہیں) ان ممتاز اور نامور علمائے اسلام میں سے ہیں جن کی تحریروں کو جوہر شناسان علم وفضل نے سر آنکھوں پر لیا۔ اور اعلیٰ ترین قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا۔ اور جن کو نہ صرف فرداً فرداً اپنی علمی تشنگی کو بجھانے اور دماغ کو روحانی غذا دینے یعنی مطالعہ کا لطف اٹھانے کے لیے استعمال کیا بلکہ ان کو دیگر رہروان بادیہ حکمت اور سالکان طریق فضیلت کے لیے مشعل راہ بنایا یعنی طالبان علم کے نصاب درس میں داخل

Marfat.com

کیا۔ اور نہ صرف ایک آدھ تصنیف کسی فن میں معتبر سمجھی گئی بلکہ مختلف فنون میں آپ کے تین کارنامے محققانہ معیار سے مستند مانے گئے۔ اور مشتاقان علم کے لیے بیش بہا تحفہ قرار پائے۔

مولانا کس کس فن میں کمال کا رتبہ رکھتے ہیں۔ اور کہاں کہاں ان کے شبدیز قلم نے ٹھوکر کھائی ہے۔ اس کا صحیح اندازہ ملا میر زاہد (ملا میر زاہد فلسفہ والٰہیات کے نامور ترین علماء میں خاص امتیاز رکھتے ہیں۔ اور ان کی تین تصنیفیں (میر زاہد رسالہ۔ میر زاہد ملا جلال اور میر زاہد امور عامہ) درس نظامیہ میں داخل ہیں۔ کسی کتاب میں تو دیکھا نہیں مگر اہل علم کی مجلسوں میں مسرت کے ساتھ یادرفتگاں کرتے ہوئے یہ ذکر ہوا کیا ہوا ہے کہ جب ملا میر زاہد ہرات سے ہندوستان میں آئے ہیں تو شاہجہان کے دربار میں ان کا مولانا عبدالحکیم سے مناظرہ قرار پایا۔ فریقین نے مختلف عالمانہ نکات میں ایک دوسرے کا امتحان لیا۔ اور اہل دربار میں علمی جواہر ریزوں سے اپنا جیب ودامن بھرا۔ آخر میں مولانا عبدالحکیم نے ایک ایسا سوال پیش کیا جس کو ملا میر زاہد حل نہ کر سکے اور کامیابی کا فخر مولانا عبدالحکیم کو نصیب ہوا۔ دربار میں فوقیت مولانا عبدالحکیم کو حاصل ہوئی۔ مگر اہل علم کا اپنا دربار الگ ہے۔ اس میں اس مباحثہ پر جو نکتہ چینی ہوئی تو فیصلہ یوں کیا گیا کہ مولانا عبدالحکیم اپنی ذہانت وطباعی سے بحث کو قواعد انسانیہ کی طرف لے آئے کہ یہ رستہ ان کا خوب دیکھا بھالا ہے چنانچہ انہوں نے علم کی ظرف کا ایک ایسا سوال پیش کیا جو ملا میر زاہد کو مستحضر نہ تھا۔ ورنہ اگر بحث علوم حکمیہ اور الٰہیات میں محدود رہتی تو میرزاہد کے آگے عبدالحکیم کی پیشرفت دشوار تھی۔ یہ فیصلہ صحیح ہو یا شاہی دربار کا غلغلہ تحسین مدعا اس حکایت سے یہ ہے کہ مولانا عبدالحکیم کا پایہ جو زمانہ سلف کے علمائے کبار اور شاہان علم دوست کی توجہ اپنی طرف کھینچ سکتا ہے اس سے بہت ارفع واعلیٰ ہے کہ معمولی نوشت وخواند کے لوگ آپ کی تصانیف پر تنقیدی نظر ڈالیں اور کسی نتیجے پر پہنچیں۔) یا ان جیسے مولانا عبدالحکیم کے ہم پلہ حریف ہی کر سکتے ہیں۔ ہم لوگوں نے جس تاریکی اور جہالت کی فضا میں آنکھ کھولی ہے اور علوم قدیمیہ

Marfat.com

اسلامیہ کے متعلق جس کسمپرسی اور بے پروائی کا دور دیکھا ہے۔اس نامبارک عہد میں اگر کوئی شخص آپ کی تصانیف کے بیشتر حصہ کو سمجھ سکی تو اپنے وقت کا فاضل متجر کہلانیکا مستحق ہے سمجھنے کے بعد صحت وسقم مضمون کی نسبت رائے قائم کرنا الگ رہا۔اندریں حالات آپ کی تصانیف کے متعلق جو کچھ لکھا جائے گا وہ سوانح عمری کے ایک باب کی خانہ پری کرنے کی غرض سے ہوگا۔ورنہ ایسا تبصرہ جس کو تنقید کہا جائے اور جس میں تصنیف کی قدر و منزلت اوراس کے صحت کو سقم کی تحقیق ہو۔اپنی قابلیت سے بالاتر ہے۔

ان تصانیف کی نسبت کچھ لکھنے سے پہلے اس زمانہ کے عام اور دلپسند طرز کی تصنیف کا ذکر کرنا ضرور ہے۔اسلامیوں نے علم وفن کی جانب توجہ کی۔اور تصنیف تالیف کا سلسلہ آغاز ہوا۔تو چونکہ تمام قوم کو جہالت کی تاریکی سے نکالنا اور ایسے مضامین کو لوگوں کے ذہین نشین کرنا مقصود تھا۔جس سے اس وقت تک ان کے کان آشنا نہ تھے۔اس لیے ہر ایک مضمون کو نہایت سلیس۔نہایت آسان اور نہایت مشرح طور پر بیان کرنے کی ضرورت تھی چنانچہ ہمارے متقدمین علماء کی تصانیف قواعد لسانیہ میں مسائل مذہب میں اور علوم عقلیہ میں۔غرض علم کے ہر شعبہ میں نہایت قریب الفہم نہایت مفصل اور نہایت صاف واقع ہوئی ہیں۔وہ لوگ کسی فن کو بتامہ بیان کرنا چاہتے ہیں...... یا علم کے کسی ایک یا چند مسائل پر قلم اٹھاتے ہیں۔ہر حال میں ان کی تحریر پیچیدگی سے پاک اور اجمال واختصار سے مبرا ہوتی ہے۔مگراس طرح پر قوم میں علمی مذاق پیدا ہوگیا۔اور تہذیب کی ترقی نے کئی طرح کی مصروفیتیں اور مختلف الاقسام مشاغل و افکار پیدا کر دیئے تو حسب قاعدہ طبعیتوں میں نفاست اور نزاکت پیدا ہوئی۔ادھر علم کی چاشنی حاصل کرنے کے بغیر سوسائیٹی میں اعزاز و افتخار پیدا کرنے کی کوئی صورت نہ رہی تو ضرورت محسوس ہوئی کہ جہاں تک ہو سکے کمتر وقت میں علم کی بیشتر واقفیت حاصل ہو۔اس کام کے لیے مختلف علوم کے چھوٹے چھوٹے رسالے تصنیف ہونے شروع ہوئے۔جن میں سے کچھ تو اسی شکل کے ہیں جیسے ہمارے

Marfat.com

زمانے میں انگریزی کے اندر مینوئل کہلاتے ہیں۔ یعنی ہر علم کے چند نہایت ضروری اور موٹے موٹے مسئلہ تحریر کر دیئے گئے جو تھوڑے وقت میں یاد ہو سکیں۔ اور علم کی ابتدائی واقفیت پیدا کرنے کا ذریعہ ہوں۔ ایسے رسالہ جات مبتدیوں کے لیے بیشک کارآمد تھے۔ اور تعلیم کی ابتداء انہی سے ہو سکتی ہے۔ لیکن کسی علم سے واقف ہونے کا دعوے محض انہی رسالوں کو پڑھ لینے سے نہیں ہو سکتا۔ اور ضرورت باقی رہتی ہے کہ ان کے بعد مبسوط کتابیں مطالعہ میں آئیں جو وقت بہت لیتی ہیں۔ اس دقت کو رفع کرنے کے لیے قدرت نے ایسے افراد پیدا کئے جو مختصر نویسی میں نام بردار ہوئے۔ انہوں نے دریاؤں کو کوزوں میں بند کرنا شروع کیا۔ اور ہر فن کے اندر ایسی کتابیں مہیا کر دیں جو حجم میں چھوٹے رسالوں کے برابر تھیں۔ اور فن کے مضمون سے کوئی نکتہ فروگذاشت نہ کرتی تھیں۔

بعض ایسے رسالوں میں اور ان کے بعد کی اکثر تصانیف میں ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ کثرت معلومات نے مصنفین کے دماغوں کو مرکز ثقل سے ایسا ہٹا دیا ہے کہ وہ لکھتے ہیں۔ گرامر کی کتاب مگر اصطلاحوں کی تعریف کرتے ہیں یا قواعد کلیہ قائم کرتے ہیں منطقی اور فلسفیانہ دلائل اور اعتراضات نظر آتے ہیں۔ تو ان کو بھی اپنی اسی مختصر نویسی کے انداز میں درج کر جاتے ہیں۔ مذہبی مسائل اور ان کے تشریح و توضیح میں کثرت سے فلسفیانہ اصطلاحیں اور اشارات درج کر دیتے ہیں۔ معقولات میں تعریف اور استدلال کے اثناء میں لفظوں کے ہیر پھیر اور طرز ادا کی درستی و نادرستی کا خیال آ جاتا ہے تو گرامر اور فن بلاغت کے مسائل درج ہو جاتے ہیں۔ اور تحریر کو دشوار سے دشوار تر کر دیتے ہیں۔ غرض جس طرح فارسی اور اردو کی شاعری میں ہمارے ناظرین کو معلوم ہے کہ شعرائے متقدمین کی نسبت متاخرین نے پیچیدگی اور دشواری کو زیادہ کر دیا ہے۔ بعینہ اسی طرح علمائے متقدمین و متاخرین کی طرز تصنیف میں سلاست اور پیچیدگی ہمارے لفظ خیال سے آسانی و دشواری کا تفاوت پیدا کر دیتی ہے۔ مگر اس وقت ایک عرصہ کے علمی توضل اور کئی

Marfat.com

نسلوں کی روشن خیالی نے طبیعتوں کو ایسا ذکی اور ذہنوں کو ایسا تیز کر دیا تھا کہ معما اور چیستاں کو حل کرنے میں دشواری اور مجمل تحریروں کو سمجھنے میں وقت محسوس نہ ہوتی تھی۔ اور ایک فن میں دوسرے فن کی آمیزش کو دل بہلانے کا ذریعہ اور ضیافت طبع کا سامان سمجھتے تھے۔ بلکہ اس کے خلاف تمام کتاب میں ایک ہی مضمون پر بحث ہو تو طبیعت کے اکتانے کا سبب اور ملال کا باعث جانتے تھے۔ ایسی کتابیں ہر دلعزیز ہو گئیں۔ اور طالب علم ہر ایک فن کے ایسے ایسے رسالے جن کو اصطلاح میں متن کا نام دیا گیا ہے یاد کر لیتے تھے۔ پھر یا دیگر مشاغل میں مصروف ہو جاتے تھے یا تحصیل علم کا شوق رکھتے تھے تو کسی ایک یا چند فنون کے اندر مبسوط کتابوں کا مطالعہ جاری رکھ کر اپنے تئیں کمال کو پہنچاتے تھے۔

اب زمانے نے پھر پلٹا کھایا۔ اور اقبال مندی کے کمال نے بدن میں کاہلی اور دماغ میں کندی پیدا کی تو مجمل رسالے دشوار نظر آنے لگے۔ اور مبسوط کتابوں پر ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہ رہی۔ اس ضرورت نے ایسے لوگ پیدا کیے جو متنوں پر شرحیں چڑھائیں اور ان کی گتھیوں کو سلجھانے کا کام کریں۔ مگر مختصر نویسی یا بالفاظ دیگر معما گوئی کا سکہ بیٹھ چکا تھا۔ اور کفایت شعاری کا سب سے زیادہ زور لفظوں پر خرچ کرنا کمال مانا جاتا تھا۔ اس لیے شارحین نے بھی جہاں تک بن پڑا۔ کم سے کم لفظوں سے کام لیا۔ اور بعض شرحیں ایسی لکھی گئیں جن کے الفاظ کا شمار متن کے الفاظ سے بھی زیادہ نہ ہو (تفسیر جلالین کی نسبت مشہور ہے کہ اس کے اپنے الفاظ تعداد میں قرآن کریم کے الفاظ سے کم ہیں۔) کچھ عرصہ تک اسی کو غنیمت سمجھا گیا۔ کہ متن کو ساتھ ملا کر عبارت کم از کم دگنی تو ہو گئی۔ مگر آخر تھیں شرحیں بھی متن کی ہم پلہ۔ طبیعتیں پھر اکتائیں اور خیالات ادھر ادھر دوڑنے لگے۔

ہمارا یہ زمانہ ہوتا تو ایسے تمام متن اور شرحین دریا برد کر دی جاتیں۔ اور سہل کتابوں کی تلاش ہوتی۔ کیونکہ ہم نے انگریزی علوم وفنون میں ہمیشہ سریع الفہم کتابیں داخل نصاب دیکھی ہیں۔ اور ہمارے علماء علوم اسلامیہ کے درس میں بھی ایسی ہی سہولتوں کا

Marfat.com

اہتمام کرتے جاتے ہیں۔مگر اس وقت ایسا نہ ہوا۔اور ایک خیال سے میں سمجھتا ہوں کہ بہتر ہوا۔میں مختصر نویسی کا ایسا مداح نہیں ہوں مگر اکثر درسی کتابوں میں جو ایک فن کے اندر دیگر فنون کے تذکرے آ جاتے ہیں اس کو فائدے سے خالی نہیں سمجھتا۔انگریزی مدارس میں آرٹس فیکلٹی کے اندر متعدد علوم پڑہائے جاتے ہیں۔اور جتنے سال تک تعلیم جاری رہتی ہے بار بار سب علموں میں امتحان لیا جاتا ہے کہ مضامین متحضر رہیں۔مگر یہ طریق کامیاب ثابت نہیں ہوا۔اس میں متحضر رہنا ایک طرف۔ مضامین کو سمجھنے کی بھی قابلیت نہیں ہوتی۔ اور اکثر الفاظ کورٹ لینے سے کامیابی حاصل کر لی جاتی ہے۔اس نصاب میں مختلف علوم کو ہمیشہ جاری رکھنے اور ان کا امتحان لیتے رہنے کی ضرورت نہ تھی۔ ایک علم کو پڑھتے ہوئے دیگر تمام مروجہ علوم کے مسائل متحضر ہوتے رہتے تھے۔اور وہ بھی اس طرح کہ طالب علم مضمون کو سمجھ کر آگے چل سکتا تھا۔ورنہ محض عبارت کو برزبان کر لینے سے کام نہ چلتا تھا۔ غرض ہمارا طالب علم ایک سپاہی ہوتا تھا جو ہمیشہ جنگ کے لیے تیار اور جو بات پوچھی جائے اس کا جواب دینے کے لیے مستعد ہے۔مگر آج کا طالب علم امتحان سے دوسرے دن کسی بات کے جواب دینے کا ذمہ دار نہیں۔ ہاں خاص فن میں کامل ہونے کا فائدہ ہمارے نصاب سے حاصل نہ ہوتا تھا۔اور وہ فائدہ آج کل کی تعلیم سے بھی نہیں ہوتا۔مطالعہ کرنے کے قابل ہو جانے کا فائدہ ہی اس سے بھی مقصود تھا اور اس سے بھی۔ آگے ایک فنی ہونا طویل مطالعہ پر جب بھی منحصر تھا۔اب بھی۔

بہرکیف شرحوں کو مشکل سمجھ کر چھوڑا نہیں گیا۔ان پر حواشی لکھے گئے۔بعض وقت وہ بھی مجمل اور دشوار ہوئے تو حاشیہ پر حاشیہ چڑھا۔اور جو مسئلہ متن میں سو پردوں کے اندر رکھا گیا تھا۔اس پر سے کسی نے ایک کسی نے دو۔اور کسی نے سب پردے اٹھا دیے مسئلہ کو صاف کیا۔اس پر اعتراض وارد ہو تو اس کی تشریح کی اور جواب دیا۔ جواب پر اعتراض ہوا۔یا اس سے کوئی نئی بحث پیدا ہوگئی تو اس کی تنقید ہونے لگی۔ پڑھنے والا بالکل ہی غبی ہو

Marfat.com

تو اور بات ہے ورنہ طالب علم کو ایک بات پر جمایا جاتا ہے پھر اکھیڑا جاتا ہے کبھی ایک پہلو سمجھایا جاتا ہے کبھی دوسرا۔اس کے دماغ کو دلائل کے پرکھنے کی۔ان کے ہر ایک نکتہ پر غائر نظر ڈالنے کی اور فیصلہ کرنے سے پہلے تمام اطراف و جوانب کو دیکھنے کی مشق کرائی جاتی ہے۔ وہ کتاب نہیں ۔جمناسٹک کا میدان معلوم ہوتا ہے۔ جہاں ڈرل ماسٹر لڑکوں کو کبھی بیٹھنے کا حکم دیتا ہے۔کبھی بھاگنے کا۔کبھی ہاتھ بلند کراتا ہے اور کبھی ایک طرف سے دوسری طرف پھیر دیتا ہے۔طرح طرح کی مشق سے ہر عضو کو کام کرنے اور مختلف حرکات سے ان کے تئیں مضبوط بنانے کا اثر دکھاتا ہے۔اس تعلیم سے دماغی قوتوں سے یونہی مشق کرائی جاتی تھی۔ ہمارے زمانے کی سہل گیر طبیعتیں اس طرز کو ناپسند کریں تو تعجب نہیں ۔افسوس ان بزرگواروں پر ہے جو اس چمن کی گلچینی کر کے گلفروش کہلائے ۔اور اسی طرز تعلیم کی بدولت قوت فیصلہ سے بہرہ اندوز ہوئے اور پھر اپنے ہی بزرگوں کی محنت کو رائگاں اور ان کی کوششوں کو بے سود مشہور کرنے میں سب سے سبقت کرنے اور نئی راہیں ڈھونڈنے لگے۔وہ بزرگ ان کی بات سنتے تو یہی کہتے ۔ع

سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجاست

اس کوشش اور کاوش میں بعض بزرگوں نے اپنا نصب العین اور زندگی کا مدعا ہی چمنستان علم کی نخل پیرائی اور مشکل کتابوں کی عقدہ کشائی کو قرار دیا۔ان رہنمایان وادی پر خار میں میر سید شریف جرجانی۔مولانا بحر العلوم عبد العلی لکھنوی۔ہمارے مخدوم مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی۔یا ہمارے قریب تر زمانے میں مولانا عبدالحلیم لکھنوی اور ان کے فرزند مولانا عبدالحی لکھنوی صف اول میں جگہ پانے کے مستحق ہیں۔ ان بزرگوں کی بدولت سینکڑوں قابل قدر بیش قیمت مگر مشکل تصانیف کے گرانبہا جواہر ریزے صاف و مجلّا ہو کر ہم تک پہنچے۔اور اسلامی لٹریچر کی نفیس سے نفیس نعمتیں اور باریک و لطیف بحثیں قیام و استحکام کا خلعت پہن کر اور سلاست و سہولت کے زیور سے آراستہ ہو کر نابینا کو بینا اور بے

Marfat.com

دست و پا کو کارفرما بنانے کا باعث ہوئیں۔ سمجھنے میں ہماری ہمت تصور کرے۔ اور ہماری نظر شپر چشمی دکھائے تو چشمۂ آفتاب راچہ گناہ۔

مولانا عبدالحکیم کی تمام تصانیف کا علم نہیں جن کارناموں نے آپ کو علمی دنیا سے روشناس کیا ہے اور جو تصانیف آپ کی طالبان علم کی رہنمائی میں استعمال ہوئی ہیں ان کا مدعا اپنی یادگار قائم کرنے کی خواہش یا اپنے علم و فضل کو ظاہر کرنے کی آرزو کو برلانے کی بجائے بزرگان سلف کے زرین کارناموں کو جلا دینا اور ان کے اسمائے گرامی کو حیات جاوید بخشا ہے۔ یعنی علمی خدمت کے ساتھ ایثار اور عفریت جہالت کو زیر کرنے کے ساتھ دیگر نبرد آزماؤں کی حمائیت کو اپنا فرض قرار دیا ہے۔ اور وہ بھی ایسے ایسے موقع پر جہاں کوشش پر کوشش ہوئی ہے مگر عقدہ کشائی نہیں ہوسکی۔ یعنی آپ نے کسی متن کی شرح نہیں لکھی۔ کسی شرح کا حاشیہ نہیں لکھا بلکہ حاشیہ پر حاشیہ چڑھایا۔ اور ہمیشہ تخم زمیں گیر کو گل و گلزار بنایا ہے۔ اور میں نے اس مضمون میں اپنے تمہیدی اظہار کو طول دیا ہے تو اسی غرض سے کہ اس کے بغیر ناظرین کو ایسی تصانیف کی ضرورت اور ان کی قدر و منزلت کی نسبت صحیح رائے قائم کرنے میں دشواری ہوتی۔

آنجناب کی ایک تصنیف فن نحو میں ہے۔ اس کا ماجرا یہ ہے کہ ابن حاجب نے شافیہ اور کافیہ نام کے دو رسالے صرف اور نحو میں لکھے۔ جن میں ترتیب مضامین کے اسلوب کو بدلا جو پسند کیا گیا۔ اور مختصر نویسی کا وہ کمال دکھایا کہ تمام مسائل اور اصطلاحات فن کی تشریحیں دو دو۔ تین تین لفظ کے جملوں میں ختم کیں۔ اور بہت چھوٹے حجم کی تحریروں میں تمام مہتم بالشان مسائل درج کر دیئے۔ ان دونوں رسالوں نے علمی دربار سے قبولیت کا خلعت پہنا۔ اور مختلف دیار و امصار پر تصرف کیا۔ ہر ایک رسالے کی کئی کئی شرحیں لکھی گئیں۔ جن میں سے چند متن کے ساتھ قبولیت کی حصہ دار بنیں منجملہ ان کے کافیہ کے ایک شرح شاعری اور تصوف کے میدان میں شہسواری کرنے والے مولانا عبدالرحمٰن جامی

Marfat.com

علیہ الرحمۃ کے قلم سے بھی نکلی۔ مگر کیسی شرح کہ متن کی طرح مختصر نویسی کا بہترین نمونہ اور مضمون کے لحاظ سے فن کی اعلیٰ تریں کتاب۔ قبولیت متن سے زیادہ اسپر عاشق ہوئی اور مان لیا گیا کہ جس نے شرح جامی نہیں پڑھی اس نے نحو میں کچھ دیکھا ہی نہیں۔ اختصار میں یہ کمال کہ ایک ایک لفظ کے اندر باریک نکات کا خزانہ۔ چنانچہ مشہور ہے کہ شرح جامی کے اندر حرف حرف کے سایہ میں شیر سوتے ہیں۔ اس گنج شائگاں کو جو قدم قدم پر دفن کیا گیا ہے تفتیش و تلاش کرنے کی ضرورت خود مصنف ہی کے زمانہ میں محسوس ہونے لگی۔ اور مولانا جامی کے شاگرد ملا عبد الغفور نے اس پر حاشیہ لکھا جو طالبان علم کی بدقسمتی سے پورا نہ ہو سکا۔ اور قریباً کتاب کے دو ثلث یعنی مبنیات میں اسماء الافعال کی بحث تک لکھا جا کر کسی وجہ سے بند ہو گیا۔ اول تو ملا عبد الغفور مولانا جامی کے شاگرد اور اسی طرز تحریر کے شیدا تھے اجمال کو پورے طور پر تفصیل نہ بنا سکے۔ دوسرے جو کچھ کیا وہ بھی نامکمل رہ گیا۔ اس نقصان کی تلافی مولانا عبد الحکیم کی قسمت میں تھی۔ آپ نے پہلے ملا عبد الغفور کی تحریر پر حاشیہ لکھا۔ پھر جس قدر کمی رہ گئی تھی اس کی تکمیل کی۔ اور شرح جامی کا حاشیہ آخر تک پہنچایا۔ اس کوشش نے اپنے نوعیت کے بہترین متن اور اسکی بہترین شرح کو ایسا واضح کر دیا کہ اس مجموعے کے بعد عربی فن نحو کے لیے جس میں اکثر زبانوں سے زیادہ پیچیدگی ہے کسی اور کتاب کی ضرورت نہ رہی۔

میں مولانا جامی کی اختصار پسندی و باریک بینی اور دونوں حاشیہ نگاروں کی متحدہ کوشش سے اس کے وضاحت پانے کی چند مثالیں درج کرتا ہوں۔

(۱) ذکر یہ تھا کہ کبھی جملہ اسمیہ کے مبتداء کو حذف کرنا جائز ہوتا ہے۔ اس کی مثال میں ابن حاجب نے چاند دیکھنے والوں کا محاورہ پیش کیا۔ اور چاند دیکھنے والے کے لیے مستھل کا لفظ استعمال کیا۔ مولانا جامی نے مستھل کے معنے لکھے ”چاند دیکھنے والا اور آواز بلند کرنے والا“ ایک لفظ اور دو دو معنے۔ مختصر نویسی کو دیکھتے ہوئے عجیب بات تھی۔ محشی کو اس اعتراض کا صاف کرنا ضرور تھا۔ ملا عبد الغفور نے لغت سے استدلال کیا۔ اور بتایا کہ مستھل

Marfat.com

جس مصدر سے نکلا ہے اس کے معنے ہی دو ہیں۔ چاند دیکھنا اور آواز بلند کرنا۔ وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے۔ اور بات چھپی رہ گئی یعنی اعتراض یہ تھا کہ لفظ کے معنے چاہے کئی ہوں بولنے والا جب بولتا ہے تو ایک ہی معنے مراد لیا کرتا ہے۔ ماتن نے یہ لفظ استعمال کیا۔ شارح کو بتانا چاہئے کہ اس نے یہاں اس لفظ سے کونسا مطلب لیا ہے۔ اس غرض کے لیے شارح نے جو کچھ لکھا ہے وہ غلط ہے ایک بار بولنے میں دو معنے مراد نہیں ہو سکتے۔ یہ کام مولانا عبدالحکیم کے لیے چھوڑ دیا گیا تھا انہوں نے فرمایا کہ دو معنے لکھنے سے یہ مطلب نہیں کہ دونوں ہی مراد ہیں۔ بلکہ دکھانا یہ مقصود کہ لفظ کے معنے دو ہیں۔ اور ماتن کے کلام میں دونوں میں سے ہر ایک مراد ہو سکتا ہے۔

(۲) اسم اشارہ کی بحث میں ابن حاجب نے لکھا ہے۔ ''کہا جاتا ہے ذا اشارہ قریب کے لیے۔ ذلک بعید کے لیے۔ اور ذاک متوسط کے لیے'' کہا جاتا ہے'' ایک زائد لفظ تھا۔ جو خاص اسی مسئلہ پر لکھا گیا۔ اس کی کوئی وجہ ہونی چاہئے۔ مولانا جامی فرماتے ہیں کہ یہ لفظ بعینہ اسی طرح استعمال نہیں ہوتے بلکہ جو قریب کے لیے ہے بعید کے لیے۔ اور جو بعید کی لیے ہے قریب کے لیے۔ اور متوسط کے لیے ہے وہ دونوں کے لیے زبان عرب میں کثرت سے استعمال ہو رہا ہے۔ اس لیے ماتن کے معنوں کی تعیین کرنے کو فن کا کلیہ قاعدہ تصور نہیں کیا۔ بلکہ ''کہا جاتا ہے'' کے لفظ سے اس کو شکیہ طور پر ذکر کر دیا ہے۔ ملا عبدالغفور فرماتے ہیں کہ کافیہ کے شارح رضی نے بھی یہی وجہ لکھی ہے مگر صحیح نہیں۔ کیونکہ فن بلاغت کے علماء لکھتے ہیں کہ یہ الفاظ اپنے معنوں کے سوا دوسرے معنوں میں تاویل سے استعمال ہوتے ہیں۔ یعنی مثلاً قریب کا لفظ بعید کے لیے استعمال ہوتا ہے تو اسی صورت میں جبکہ شاعرانہ طور پر مبالغہ کے لیے اس کو بعید فرض کر لیا جاتا ہے۔ علمائے بلاغت کے اس بیان سے ثابت ہوا کہ معنوں کی تعین فن کا کلیہ قاعدہ ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ ذا اور ذالک قریب اور بعید کے لیے وضع نہیں کیے گئے۔ بعد میں استعمال ہونے لگے ہیں۔ پس ابن حاجب

Marfat.com

نے کہا جاتا ہے'' کا لفظ اس لیے بولا ہوگا کہ یہ معنے استعمالی ہیں۔ یوں نہ کہتے عام طور پر یہ لکھ دیتے کہ ذا قریب کے لیے ہے تو سمجھا جاتا کہ لفظوں کی وضع بیان کرتے ہین۔ مولانا عبدالحکیم کو محشی کا یہ اعتراض غلط معلوم ہوا۔ وہ فرماتے ہیں کہ لفظوں کو وضع کرتے اور ان کے اندر معنی داخل کرتے کس نے دیکھا ہے۔ زبان میں لفظ جس معنے کے لیے کثرت سے استعمال ہوتا ہے سمجھا جاتا ہے کہ یہ اس معنے کے لیے وضع ہوا ہے۔ اور شارح اپنی توجہ کو استعمال پر نہیں کثرت استعمال پر مبنی کرتے ہیں۔ یہ الفاظ جب کثرت سے ایک دوسرے کے معنوں میں ستعمال ہوتے نظر آتے ہیں تو ان کے لیے خاص معنوں کی تعیین کلیہ قاعدہ کے طور پر نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہنے کی وجہ وہی صحیح ہوئی جو شارح نے لکھی ہے کہ کسی کا خیال ہے۔ مصنف کا اپنا عقیدہ نہیں۔ اور فن بلاغت میں جو کچھ لکھا ہے وہ اس رائے پر مبنی ہوگا کہ ان الفاظ کے معنے اپنے اپنے خاص ہیں۔

(۳) فعل تعجب کی نسبت ابن حاجب لکھتے ہیں ''فعل تعجب وہ ہے جو تعجب ظاہر کرنے کے لیے بنایا گیا ہو۔ اس کے دو صیغے ہیں ما افعلہ اور افعل بہ۔ مولانا جامی اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں''۔ اور اس کے یعنی فعل تعجب کے یا اس چیز کے جو تعجب ظاہر کرنے کے لیے بنایا گیا ہو دو صیغے ہیں۔ ایک ان میں سے صیغہ فعل ہے جس میں ما افعلہ کی سی شکل ہو''۔ میں نے اس عبارت میں کافیہ کے الفاظ عربی خط میں اور مولانا جامی کے الفاظ فارسی خط میں لکھے ہیں۔ اس موقع پر ملا عبدالغفور کا حاشیہ ختم ہو چکا ہے۔ مولانا عبدالحکیم شرح جامی کے لفظ لفظ کی مصلحت بیان کرتے ہیں۔ ''اس کے ضمیر کا صیغہ ہے۔ مولانا جامی اس کے دو مرجع بیان کرتے ہیں۔ ''فعل تعجب یا وہ جو تعجب ظاہر کرنے کے لیے بنایا گیا ہو'' مولانا عبدالحکیم لکھتے ہیں۔ اس'' کی ضمیر فعل تعجب کی طرف بھی عود کر سکتی ہے۔ کیونکہ احکام اسی کے بیان ہوتے ہیں اور فعل کی تعریف کی طرف بھی پھر سکتی ہے۔ کہ وہ قریب تر ہے اور اصطلاحی لفظ اور اس کے تعریفی الفاظ کا مطلب ایک ہی ہوتا

Marfat.com

ہے۔شارح ضمیر کو پھیرنے کے لیے ان میں سی کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دے سکتا۔ اس لیے دونوں مرجع کہنے پڑے۔ دو صیغے ہیں کے بعد ان میں سے ایک'' کا لفظ اس لیے نہیں لکھا کہ یہ مبتدائے محذوف ہو۔اور'' ما افعلہ'' اس کی خبر۔ کیونکہ'' ما افعلہ'' ترکیب میں بدل یا عطف بیان بھی ہو سکتا ہے ان میں سے ایک کہنے سے مقصود صرف تثنیہ ماقبل کا مطلب بیان کرتا ہے ابن حاجب کو دو صیغے ہیں لکھ کر دونوں فعل لکھ دینے چاہیے نفے مگر جو لکھا گیا ہے یعنے'' ما افعلہ صرف فعل نہیں پورا جملہ ہے۔شارح کو کہنا پڑا کہ پورے جملے کا لانا ایک مجازی استعمال ہے ورنہ تعجب کا صیغہ محض فعل ہے۔لیکن فعل بھی عام طور پر نہیں بلکہ وہ فعل جو'' ما افعلہ'' کی شکل میں لایا گیا ہو۔شارح نے صرف فعل کا لفظ نہیں لکھا۔صیغہ فعل کہا ہے۔تا کہ سمجھا جائے کہ صرف'' ما افعلہ'' ہی فعل تعجب نہیں بلکہ ہر ایک صیغہ جو اس وزن پر ہو۔اس طرح پر'' ان میں سے ایک صیغہ فعل ہے جس میں ما افعلہ کی سی شکل ہو۔'' اس عبارت کا ایک ایک لفظ خاص مصلحت رکھتا ہے۔

آنجناب کی دوسری تصنیف علم کلام میں ہے۔امام نجم الدین نسفی کا ایک رسالہ عقائد اہلسنت میں تھا۔جس کی علامہ تفتازانی نے شرح لکھی۔رسالہ بالکل سادہ اور سلیس تھا۔ کیونکہ اسلامی اور بالخصوص اہلسنت کے عقائد میں کوئی پیچیدگی اور اشکال نہیں۔مگر علامہ نے ہر ایک عقیدہ کا ثبوت پیش کرنے کا تہیہ کیا۔جو عقائد دیگر مذاہب کے خلاف تھے ان کی دلائل عقلیہ اور جو فرقہ ہائے اسلامیہ کے خلاف تھے ان کے عقلی دلائل کے ساتھ نقلی ثبوت بھی پیش کیا۔اور علم کلام کی چھوٹی سی کتاب بنادی۔جسمانیات سے بحث ہو تو تجربہ رہنمائی کر دیتا ہے اور بات کو طول نہیں ہوتا۔عقیدہ روحانی قسم کی چیز ہے بالخصوص وجود باری۔ حشر ونشر اور ملائکہ وغیرہ اعتقاد۔ایسی چیزوں کے متعلق آج کل تو مانتے ہیں کہ عقلی ثبوت مل ہی نہیں سکتا۔نہ اس کی ضرورت ہے۔مگر اس زمانے میں ان مسائل کی عقلی بحث پر دفتر کے دفتر لکھے جاتے تھے۔اور جو بات احساس سے بالاتر اس میں گفتگو کا دروازہ بند ہو ہی

Marfat.com

نہیں سکتا۔ ثبوت ثبوت کے اوپر اعتراض۔ اعتراض کا جواب اور جواب الجواب سلسلہ دور تک پہنچتا ہے۔ چنانچہ یہی ہوا۔ علامہ تو ہر ایک بات کو جلدی سے ختم کر دیتے ہیں مگر حاشیہ چڑھانے والوں نے معرکہ آرائی شروع کر دی اور طرح طرح کے فلسفہ اور الہیات کے مسائل معرض بحث میں آئے۔ منجملہ حاشیہ نگاروں کے ایک مولانا خیالی ہیں جو ہر بات کے اندر سے باریک نکات نکالنے میں کمال رکھتے ہیں اور گفتگو کرتے ہیں دو لفظی۔ اس کتاب کی فلسفہ تراشی اور مختصر نویسی نے عجیب پسندیدگی حاصل کی کہ نصاب میں داخل ہوئی۔ اور اس پر بھی کئی حاشیہ چڑھے۔ چنانچہ قل احمد اور جند وغیرہ وغیرہ کے علاوہ ہمارے مولانا عبدالحکیم نے بھی اس پر قلم اٹھایا۔ قبولیت کچھ کمال ذاتی پر منحصر ہے کچھ خداداد۔ مولانا عبدالحکیم کا حاشیہ خیالی کا سب سے بہتر حل سمجھا گیا۔ اور درس میں شامل ہوا۔ کسی نے کہا ہے

خیالات خیالی بس بلندست نہ دروے جائے قل احمد نہ جندست
مگر عبدالحکیم از رائے عالی رہا کرد از خیالات خیالی

ایک اور بھی ڈھیلی ڈھالی بندش کا شعر کسی کا مشہور ہے:

خیالات خیالی بس عظیم ست برائے حل او عبدالحکیم ست

میں اس ذکر سے اس اہتمام شان اور قدر و منزلت کا اظہار کرنا چاہتا ہوں جو تعلیمی حلقوں میں ان دونوں عجیب تصنیفوں کو حاصل تھا۔ مگر زمانہ بدل گیا۔ اصول موضوعہ اور مسلمات عقلیہ کچھ سے کچھ ہو گئے تو جو دلائل حال کے مسلمات پر مبنی نہ ہوں اب ان کا کیا وزن؟ اس لیے میرے اپنے خیال میں اب وہ تارہ بودھی بڑی حد تک بیکار ہو چکا ہے جو علامہ تفتازانی نے تیار کیا تھا۔ تو ان کے متعلق جرح و قدح اور اعتراض و جواب کی ضرورت کہاں۔ اگر میرا قول صحیح ہو تو آجکل کی نسل حاشیہ خیالی اور اس کے ضمیمہ جات کو تفنن طبع اور عقلی بحث میں روشن حلقوں کی بلند پروازیاں دیکھنے کے لیے مطالعہ کرے تو مضائقہ نہیں۔ ورنہ مفید فن کلام کے متعلق معلومات میں اضافہ کرنے کی توقع ان تحریروں سے

Marfat.com

بہت کم ہے۔ البتہ علامہ تفتازانی کی کتاب یعنی شرح عقائد نسفی عقائد اہلسنت کی مکمل واقفیت حاصل کرنے کے لیے اب بھی مفید ہے۔ بالخصوص فرقہ ہائے اسلامیہ کے مختلف فیہ مسائل نقلی استدلال اور نقلی بحثیں اکثر نفیس اور دلچسپ واقع ہوئی ہیں۔

غرض جہاں تک میں سمجھا ہوں۔ مولانا خیالی اور مولانا عبدالحکیم کی یہ کوششیں گذشتہ زمانہ کے لیے نہایت مفید۔ نہایت کارآمد اور نہایت برمحل تھیں۔ اور اپنے وقت میں بڑا کام کر چکی ہیں۔ مگر اب ان کی میعاد ختم ہوگئی۔ اور سب نہیں تو ان کا بیشتر حصہ تقویم پارینہ کہلانے کا مستحق ہوگیا۔ یہاں ان بحثوں کے چند نمونے درج کرتا ہوں کہ آخر ہمارے بزرگوں کا تبرک ہے ناظرین کو اس سے شناسائی تو ہونی چاہیئے۔

(۱) ا۔ اس زمانے کے علمائے اسلام کا ایک سب سے بڑا اختلاف فلسفیانہ خیال والون سے ہیولے وصورت اور اجزائے لاتجزےٴ کا تھا۔ حکماء اجسام کو ہیولے وصورت سے مرکب مانتے تھے۔ ان دونوں کو قدیم کہتے تھے۔ اور اسی بنا پر افلاک اور ان کی حرکات کو قدیم جانتے تھے۔ اور کئی طرح کے ایسے خیالات قائم کرتے تھے جو عقائد اسلام کے خلاف تھے۔ ان تمام مباحث کو بیخ وبن سے برباد کرنے کے لئے علمائے اسلام نے ہیولےٰ وصورت کے وجود سے انکار کیا۔ اور اجسام کی ترکیب ایسے اجزاء سے تسلیم کی جو عقلاً اور وہماً اور فرضاً کسی طرح بھی تقسیم نہ ہوسکیں۔ عقلاً اور وہماً اور فرضاً کی قید علمائے کلام کی ایجاد تھی۔ اس کو چھوڑ کر یہ مسئلہ وہی ہے جو آجکل بھی مانا جاتا ہے۔ کہ اجسام چھوٹے چھوٹے ذرات سے مرکب ہیں۔ غرض ایک زمانے میں یہ بحثیں بہت عروج پر تھیں۔ انکا پورا تماشا دیکھنا ہو تو کوئی شرح مواقف اور ادھر صدر شیرازی کی شرح ہدایت الحکمۃ دیکھے کہ ایک طرف جزاء لا یتجزے کے اثبات پر۔ اور دوسری طرف اس کے تردید میں فلسفہ اور ریاضی کے کیسے کیسے زور خرچ ہوتے ہیں۔ شرح عقائد میں اس کا مختصر سا تذکرہ آیا ہے اور میانہ روی کے ساتھ دونوں طرف کے دلائل کو کمزور کہہ کر اور حکماء کا مذہب ماننے سے جو قباحتیں پیدا ہوتی ہیں

Marfat.com

ان کولکھ کر بات کوختم کر دیا ہے۔لیکن ایک جگہ اجزاء کو مان کر یہ بحث کی ہے کہ جسم بننے کے لئے کم از کم کتنی اجزاء کا ہونا ضرور ہے۔ایک یہ خیال لکھا ہے کہ دو جزوں کے ملنے سے بھی جسم بن سکتا ہے۔ایک خیال یہ ہے کہ کم از کم تین اجزا ہونی چاہئیں تا طول۔عرض اور عمق تینوں العباد پائے جائیں۔بعض کہتے ہیں کہ کم از کم آٹھ اجزاء ہونی چاہئیں کہ طول۔عرض اور عمق زاویہ قائمہ پر تقاطع کر سکیں۔مولانا خیالی اور مولانا عبدالحکیم نے ان بحثوں کو خوب خوب رنگین کیا ہے۔سب کے ذکر میں طول ہوگا۔جسم بننے کی بحث میں مولانا خیالی تقاطع العباد کے لئے آٹھ اجزاء کی ضرورت پر اعتراض کرتے ہیں کہ تقاطع چار اجزاء کے ملنے سے بھی ہوسکتا ہے۔اس طرح کہ دو چیزیں پاس پاس رکھیں جائیں۔ان میں سے ایک کے پہلو میں تیسری رکھ دو تیسری کے اوپر چوتھی۔ ہمارے مولانا عبدالحکیم اس اعتراض کی تشریح کرتے ہیں۔اور ایک غلطی مولانا خیالی سے بھی ہوگئی ہے اس کو ظاہر فرماتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ الف اور ب کو پاس رکھنے سے طول ہوگیا۔ب کے پہلو میں ج رکھنے سے عرض ہو گیا۔اور ب کے اوپر د رکھنے سے عمق ہو جائے گا۔اور تینوں السباد نقطۂ ب پر ایک دوسرے سے ملیں گے اور زاویہ قائمہ بنائیں گے۔یوں تو بے شک چار اجزاء کے ملنے سے العباد کا تقاطع ہوگیا۔لیکن مولانا خیالی جو کہتے ہیں کہ دو کے پہلو میں تیسری اور اس پر چوتھی۔یعنی الف ب میں سے ب کے پہلو میں ج اور ج کے اوپر د۔اس صورت میں طول۔عرض اور عمق تو پیدا ہو جائے گا مگر ان کا ایک نقطہ پر تقاطع نہ ہو سکے گا۔

(۲) معتزلہ اور اہلسنت میں ایک اختلاف یہ ہے کہ معتزلہ انسانی افعال کو خود انسان کا مخلوق مانتے ہیں۔اور اہلسنت کہتے ہیں کہ انسان اپنے افعال کو کسب کرتا ہے مگر پیدا ان کو بھی خدا ہی کرتا ہے۔علامہ تفتازانی اہلسنت کی ایک دلیل یہ لکھتے ہیں کہ اگر انسان اپنے افعال کا خالق ہو تو اس کو اپنے فعل کی تمام تفاصیل کا علم ہونا چاہیے۔کیونکہ جو چیز اپنی قدرت

Marfat.com

اور اختیار سے پیدا کی جائے وہ علم کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ حالانکہ ایک جگہ سے دوسری جگہ تک جانے میں کئی سکون ہوتے ہیں۔ کئی حرکتیں ہوتی ہیں۔ حرکت کبھی تیز ہوتی ہے کبھی آہستہ جس کا ہمیں شعور تک نہیں ہوتا۔ اس کے سوا جسم کے اندر عضلات اور اعصاب جو چلنے یا پکڑنے یا جھپٹا مارنے میں حرکات صادر کرتے ہیں وہ ہمارے وہم وگمان سے بھی بالاتر ہوتی ہیں تو ہم کو ان کا علم کہاں۔ اور علم نہیں تو ہم نے انہیں پیدا کیونکر کیا۔ مولانا خیالی اس موقع پر زیادہ بحث نہیں کرتے صرف دلیل کا تمتہ بیان کر دیتے ہیں کہ خالق ہونے کے لئے تو ایسے علم کی ضرورت ہے جو موجود نہیں مگر انسان کا کسب مانا جائے تو کسب کے واسطے اجمالی ارادہ اور علم کافی ہے جو موجود ہوتا ہی ہے۔ مثلاً ہم چلنے کا ارادہ کرتے ہیں اور علم ہوتا ہے کہ اب چلنے لگے ایک طرح کی حرکت شروع کر دیتے ہیں اس کے ضمن میں جو حرکات وسکنات اور عضلات واعصاب کا فعل ضروری ہے اور خدا کی طرف سے خود بخود پیدا ہونے لگتا ہے۔ مولانا عبدالحکیم پہلے اس دلیل کو اپنے الفاظ میں واضح کرتے ہیں۔ پھر کسی کی طرف سے اعتراض کرتے ہیں کہ اول تو خلق اور کسب میں ایسا فرق ثابت کرنا دشوار ہے کہ ایک کے لیے علم کا ہونا ضروری ہو اور دوسرے کے لئے نہ ہو۔ اور اگر ایسا فرق مان بھی لیا جائے تو معتزلہ کہہ سکتے ہیں کہ تفاصیل کا علم ایسی مکمل تخلیق کے لیے ضروری ہے۔ جیسی تخلیق خدا کرتا ہے۔ لیکن بندہ کی تخلیق جیسی ناقص اور ادھوری ہے ایسا ہی ناقص سا علم بھی اس کے لئے کافی ہے۔ اس اعتراض کا خود ہی جواب دیتے ہیں کہ تخلیق کے معنے کسی خاص چیز کو عدم سے وجود میں لانا ہے۔ اور کسب کے معنی میں موجود چیز سے کام لینا۔ معدوم کو موجود اسی صورت میں کہا جاسکتا ہے کہ اس کی مقدار۔ اس کی شکل۔ اس کے شروط ولوازم سب کا علم ہو۔ مگر موجودہ چیز سے کام لینے میں ایسی تیاری کی ضرورت نہیں۔ پس تخلیق ناقص ہو۔ یا کامل جب اسے تخلیق مانا گیا تو اس کے لئے مفصل علم سے انکار نہیں ہوسکتا۔

Marfat.com

(۳) اصطلاحی الفاظ کی تعریف میں بحث کو طول دینے سے اس زمانہ کے طلبائے مدارس آشنا نہیں ہیں۔ مثلاً وہ فن مکینکس میں حرکت کی تعریف ہمیشہ ایک ہی طرح کے الفاظ میں دیکھتے ہیں کہ متحرک اس جسم کو کہتے ہیں جو اپنی جگہ بدل رہا ہو۔ اس تعریف کے جامع مانع ہونے یا نہ ہونے کی بحث مکینکس میں کبھی نہ دیکھیں گے۔ ہاں میٹافزکس یعنی علم مابعد الطبعیہ میں اب بھی ایسی بحثیں ہوتی ہیں مگر ہمارے طلباء کا مطالعہ وہاں تک پہنچتا کم ہے۔ مثلاً حرکت ہی کے متعلق وہاں بحث ہوتی ہے کہ وہ صرف جگہ ہی کے بدلنے کا نام ہے یا حالت کے بدلے کو بھی حرکت کہہ سکتے ہیں۔ کوئی اختلاف حالت کو بھی حرکت کا نام دیتا ہے اور کوئی کہتا ہے کہ حالت کا اختلاف ہوتا ہی اندرونی ذرات کی حرکت سے ہے۔ اس لیے اختلاف حالت میں بھی فی الحقیقت ذرات کے جگہ بدلنے ہی سے حرکت کا نام آ سکتا ہے۔ ایسی یا اس سے ملتی جلتی بحثیں ہمارے علماء ہر اصطلاح کی تعریف میں کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً ایک موقع پر حرکت وسکون کا ذکر آ گیا ہے تو علامہ تفتازانی فرماتے ہیں کہ چیز ضرور کسی نہ کسی جگہ میں ہو گی۔ پس اگر اس سے پہلے لحہ میں بھی اسی جگہ تھی تو وہ ساکن ہے۔ اور اگر پہلے لحہ میں اس جگہ کے اندر نہ تھی کسی اور جگہ میں تھی تو متحرک ہے۔ یہی مطلب ہوتا ہے جب کہا جاتا ہے کہ دو لحوں میں دو مکانوں کے اندر ہونے کو حرکت کہتے ہیں۔ اور دو لحوں میں ایک مکان کے اندر ہونے کو سکون۔ اس پر ہمارے دونوں محشی بڑی بڑی بحثیں کرتے ہیں۔ مثلاً مولانا خیالی ایک اعتراض یہ کرتے ہیں کہ ایک چیز پہلے لحہ میں ایک جگہ ہے۔ دوسرے لحہ میں بھی وہیں ہے تیسرے لحہ میں دوسری جگہ چلی گئی ہے۔ تو دوسرے لحہ میں اس کو متحرک سمجھو گے یا ساکن؟ مولانا عبدالحکیم اس اعتراض کی توضیح کرتے ہیں۔ پھر جواب دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ وہ چیز پہلے دو لحوں میں ایک مکان کے اندر تھی۔ اس لئے ان دونوں لحوں میں اس پر سکون کی تعریف صادق آتی ہے۔ لیکن دوسرے اور تیسرے لحہ کو دیکھو

Marfat.com

تو ان دونوں میں اس نے مکان کو بدلا ہے۔اس لئے ان دونوں لمحوں میں حرکت کی تعریف صادق آتی ہے۔اس صورت میں دوسرا لمحہ اس پر ایسا گذرتا ہے جس میں حرکت اور سکون دونوں کی تعریف صادق آتی ہے مگر بات یہ ہے کہ "دولمحوں میں دومکانوں کے اندر ہونے" کوحرکت کہنا علامہ تفتازانی کے اپنے الفاظ نہیں ہیں۔کسی اور کے الفاظ ہیں۔اوران الفاظ میں جو بے پروائی برتی گئی ہے اُس کو دور کرنے کے لیے علامہ نے پہلے اپنے الفاظ میں تعریف کی۔اور بعد میں کہدیا کہ اس کہنے والے کا بھی اصل مطلب یہی ہے۔اور جوالفاظ علامہ نے استعمال کئے ہیں وہ صاف ہیں۔ان کے رو سے پہلے لمحہ کا خیال نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے بعد دوسرے لمحہ میں جو حالت ہواس کوحرکت یاسکون کہتے ہیں۔پس جو چیز ایک لمحہ کے بعد دوسرے لمحہ میں اسی جگہ ہے وہ ساکن ہےاور دوسرے کے بعد تیسرے لمحہ میں کہیں اور جگہ چلی گئی ہےتو تیسرے لمحہ میں متحرک ہے۔اس تعریف پر اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

آپ کی تیسری تصنیف منطق میں ہے۔اس کا قصہ یوں ہے کہ رسالہ شمسیہ منطق کی چھوٹی سے کتاب ہے۔اگرچہ مجمل مگر مسائل فن کیلیئے کافی ووافی۔اسپر علامہ قطب الدین شیرازی نے شرح لکھی۔علامہ۔علامہ ہونے کے علاوہ زبان عرب کے انشاپرداز بھی ہیں زبان شستہ۔بیان سلیس۔طرز اداصاف سہل۔ان کی یہ کتاب جوقطبی کے نام سے مشہور ہےاس فن کی درسی کتابوں میں بہترین تصانیف کہلانے کی مستحق ہےاور جواختلاط مسائل فلسفہ اور دیگرفنون کااس زمانے کی کتابوں میں عام ہے قطبی اکثر وبیشتر اس سے مبرا ہے۔ اس پر میر سید شریف کی توجہ مبذول ہوئی۔انہوں نے حاشیہ لکھاخواجہ میر دشواریوں کی عقدہ کشائی میں مشاق ہیں۔ان کا کلام بھی پیچید گی سے پاک ہونا چاہیئے اور ہے۔لیکن معقولات کی بحث ایسی صاف ہو ہی نہیں سکتی جیسی فن تاریخ یادیگر علوم کی۔یہاں تقریر کیسی واضح ہو۔ضرور کہیں نہ کہیں اشکال اور دشواری پیدا ہو جاتی ہے۔مولانا عبدالحکیم کی طبع رسا

Marfat.com

ایسی دشواریوں کی تلاش میں رہتی ہے کہ کہیں ملیں تو حل کریں۔ انہوں نے حاشیہ لکھا۔ جس میں قطبی اور میر قطبی دونوں کے مقامات کو واضح کیا۔ منطق کی ایک مکمل کتاب کے سمجھنے میں جو دقتیں تھیں وہ سید شریف اور ہمارے مخدوم کی کوشش سے رفع ہوئیں۔ اور وہ باریک نکات۔ لطیف معلومات اور نفیس بحثیں اکثر اسی کتاب میں ہیں جنہوں نے مولانا عبدالحکیم کو قواعد لسانیہ کے ساتھ معقولات میں بھی مشہور عالم کیا۔ اور میر زاہد سے ٹکرایا۔ مولانا جہاں قطبی کی تحریر پر حاشیہ لکھتے ہیں وہاں قال اور جہاں میر کی تحریر پر لکھتے ہیں وہاں قولہ کے لفظ سے شروع کرتے ہیں۔ حاشیہ کے پہلے دو ثلث میں زیادہ تر میر کی اور ثلث آخر میں بیشتر قطبی کی تشریح ہے۔ اب میں مضمون کتاب کے چند نمونے جو نسبتاً نہایت آسان اور سریع الفہم ہوں۔ درج کرتا ہوں۔

(۱) منطق میں کس مدعا کو ثابت کرنے کے لیے دلیل مرتب کرنے کے قاعدے بنائے جاتے ہیں۔ یا کسی امر کو واضح کرنے کے لیے اس کی تعریف کرنے کے قوانین۔ جن الفاظ سے کسی اور امر کا تصور ذہن میں لایا جاتا ہے اس کو معرف کہتے ہیں۔ علامہ شیرازی معرف کی تعریف میں لکھتے ہیں کہ کسی چیز کا معرف وہ ہے جس کے تصور کرنے سے ذہن میں لازمی طور پر اس چیز کا تصور آ جائے۔ یا وہ چیز اور سب چیزوں سے ممتاز ہو جائے معرف سے چیز کا تصور مکمل طور پر پیدا ہونا چاہیئے۔ یہ نہیں کہ کسی نہ کسی طرف کا اجمالی تصور بھی کافی سمجھا جائے۔ میر سید شریف فرماتے ہیں کہ متاخرین اہل منطق کے نزدیک ضرورت ہے کہ معرف چیز کی حقیقت کو واضح کرے۔ یا اس کو تمام دیگر اشیاء سے ممتاز کر دے۔ لیکن حق یہ ہے کہ حقیقت کو واضح کرنا یا تمام دیگر اشیاء سے ممتاز کرنا معرف کے لئے ضرور نہیں ہے۔ اور جو الفاظ کسی چیز کو بعض دیگر اشیاء سے ممتاز کریں وہ بھی معرف کے تحت میں آ سکتے ہیں۔ کیونکہ جس طرح کسی چیز کی حقیقت واضح کرنے کے لئے یا اسے تمام دیگر اشیاء سے ممتاز

Marfat.com

کرنے کے لیے معرف کی ضرورت ہے اسی طرح کسی چیز کو بعض دیگر اشیاء سے ممتاز کرنا بھی ایک کام ہے اور معرف کا محتاج ہے۔ پس اجمالی علم پیدا کرنے والے الفاظ کو بھی معرف کہنا چاہئے۔ میر صاحب نے کہنے کے لائق بات فرما تو دی مگر اپنے استدلال کا بنیادی جملہ چھوڑ گئے۔ مطلوب یہ تھا کہ حقیقت کو واضح کرنا یا تمام دیگر اشیاء سے ممتاز کرنا بیشک ایک ضرورت ہے۔ جس کو پورا کرنے کے قاعدے مقرر ہیں۔ مگر دنیا میں بعض چیزوں کا محض اجمالی علم بھی ہوا کرتا ہے اور کبھی صرف اتنی ہی ضرورت ہوتی ہے کہ چیز کو بعض اشیاء گردوپیش سے ممتاز کر دیا جائے۔ اس ضرورت کو برلانے کے بھی قاعدے مرتب ہونے چاہئیں۔ اور ایسے قواعد کا بتانا علم منطق کا فرض ہے۔ تو اجمالی علم کے قواعد بھی اسے سکھانے ہوں گے۔ پس ایسے الفاظ جو کسی چیز کا اجمالی علم دین معرف کے ضمن میں داخل سمجھ کر ان کے قواعد پر بھی بحث ہونی چاہئے۔ ورنہ یہ فن نامکمل رہے گا۔ دلیل کا یہ حصہ مولانا عبدالحکیم نے پورا کیا اور بات صاف ہوئی۔

(۲) مدعا کو بیان کرنے یا دلائل کو ترتیب دینے میں جو جملے استعمال ہوتے ہیں ان کو قضایا کہتے ہیں۔ منطق میں قضایا کی بڑی لمبی تعریف مصنف شمسیہ نے یوں کی ہے کہ ''اگر قضیہ میں یہ کہنا صحیح ہو کہ مسند الیہ مسند ہے تو وہ قضیہ موجبہ ہے۔ جیسے انسان ایک حیوان ہے۔ اور اگر یہ کہنا صحیح ہو کہ مسند الیہ مسند نہیں ہے تو وہ سالبہ ہے۔ جیسے انسان پتھر نہیں ہے'' علامہ شیرازی کہتے ہیں کہ یہ تعریف قضایائے کاذبہ پر صادق نہیں آتی۔ مثلاً اگر کہا جائے۔ انسان پتھر ہے تو یہ ایسا جملہ ہے۔ جس میں مسند الیہ کو مسند کہنا صحیح نہیں۔ حالانکہ قضیہ موجبہ یہ بھی ہے۔ گو اس کے اندر کا دعویٰ غلط ہے اس اعتراض کے بعد وہ موجبہ اور سالبہ کی تعریف اپنے طور پر کرتے ہیں۔ مگر میر سید شریف فرماتے ہیں کہ صحیح ہونے سے واقعی صحیح ہونا مراد ہو تو بیشک شمسیہ کی تعریف غلط ہے لیکن اگر صحیح ہونے سے ایک عام مراد لی جائے کہ مسند الیہ کا

Marfat.com

مسند ہونا واقع میں صحیح ہو یا کہنے والے کے خیال میں تو پھر تعریف میں کوئی غلطی نہیں۔ جو شخص کہتا ہے کہ انسان پتھر ہے وہ اپنے خیال میں انسان کو پتھر ہی سمجھتا ہے۔ پس اس کے نزدیک صحیح ہے کہ مسند الیہ مسند ہے۔ مولانا عبدالحکیم کہتے ہیں کہ جو غلط جملے صحیح سمجھ کر بولے جائیں ان کے لئے تو بیشک سید صاحب کا عذر معقول ہے۔ لیکن جب بولنے والا جان بوجھ کر جھوٹ بولے قضیہ اس وقت بھی موجبہ یا سالبہ ہوتا ہے۔ مگر نہیں کہہ سکتے کہ واقع میں یا کہنے والے کے نزدیک وہ اظہار صحیح ہے۔ ہاں صحت کی تعریف اور وسیع کرو کہ وہ اظہار واقع میں صحیح ہو یا کہنے والے کے نزدیک صحیح ہو یا بظاہر صحیح اظہار کے طور پر ادا کیا گیا ہو۔ تو اس صورت میں بیشک سب قسم کے قضایا اس تعریف میں داخل ہو جائیں گے۔ آگے علامہ تفتازانی کی رائے نقل کرتے ہیں اور اس پر بھی ایک اعتراض کر دیتے ہیں۔

(۳) مصنف شمسیہ قیاس یعنی دلیل کی تعریف میں لکھتا ہے کہ وہ ایک عبارت ہوتی ہے کئی جملوں سے مرکب اور ایسی کہ اگر اس کو تسلیم کر لیا جائے تو ضروری ایک اور جملہ کو جسے نتیجہ کہتے ہیں تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ علامہ شیرازی فرماتے ہیں کہ ”جملوں کا لفظ جمع کی شکل میں اس لئے لایا گیا ہے کہ دلیل کبھی دو جملوں سے مرکب ہوتی ہے جس کو قیاس بسیط کہتے ہیں۔ اور کبھی دو سے زیادہ جملے لانے پڑتے ہیں۔ اسے قیاس مرکب کہتے ہیں“۔ ان الفاظ پر سید صاحب کا حاشیہ ہی نہیں۔ مولانا عبدالحکیم علامہ تفتازانی کا قول نقل کرتے ہیں۔ کہ جہاں تک دیکھا گیا اور استقراء صحیح سے ثابت ہوا دلیل دو ہی جملوں سے مکمل ہو جاتی ہے۔ چھڑی بانس کی ہے اور بانس تیر سکتا ہے۔ بس دلیل اتنی ہی ہوتی ہے اور نتیجہ دیتی ہے کہ چھڑی تیر سکتی ہے۔ لیکن کبھی یہ دونوں جملے یا ان میں سے ایک خود کسی دلیل کا محتاج ہوتا ہے۔ اور کبھی ان کی دلیلیں بھی کسی اور دلیل کی محتاج ہوتی ہیں اور ایسا سلسلہ کبھی لمبا ہو جاتا ہے۔ اور جب تک مسلمات یا بدیہیات تک نہ پہنچ جائے ختم نہیں ہوتا۔ ایسے موقع پر تمام جملوں کو باہم ملا کر

Marfat.com

بیان کرنے سے خیال گزرتا ہے کہ دلیل کئی جملوں سے مرکب ہے۔ مگر حقیقت میں وہاں ایک دلیل ہوتی ہی نہیں۔ آگے پیچھے کئی دلیلیں ہوتی ہیں اور ہر ایک دلیل دو جملوں سے مرکب۔ پس قیاس مرکب کوئی چیز نہیں۔ قیاس بسیط ہی ہوتا ہے۔ جس میں دو سے زائد جملہ ہو نہیں سکتے۔''

یہ مختصر تذکرہ ان زرین کارناموں کا ہے جو خطہ پنجاب کو روشن کرنے والے۔ اور یہ شہر سیالکوٹ اور لاہور کو علمی دنیا میں درد زبان بنانے والے ہمارے مخدوم مولانا عبدالحکیم کے مبارک ہاتھوں اور ہمہ گیر قلم سے منصۂ ظہور پر آئے۔ زمانہ نے رفتار بدل لی۔ اسلامیوں سے علم و حکمت کا مزاق دور ہو گیا۔ بزرگوں کا نام اور ان کا کام چند پرانی روحوں کے پاس فرسودہ جسموں کے اندر دماغوں کے خلوت خانہ میں بند ہے یا کبھی کبھار زبان تک آ کر بیرونی دنیا کی سامعہ خراشی کر جاتا ہے۔ یہ روحیں سفر کر جائیں گی۔ یہ جسم دفن ہو جائیں گے تو ان کا بھی خدا کے سوا کون ہے؟ وہ اپنے فضل سے آئندہ نسلوں کو بیدار کر دیے اور ترکہ اسلاف کی قدر شناسی کا میلان دیدے تو اور بات ہے ورنہ موجودہ حالت زیاہ حوصلہ افزا نہیں۔

☆☆☆

Marfat.com

تکملہ

ملا عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق اس تکملہ میں تین چیزوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(ا) صاحبان علم و دانش کے ملا عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کلماتِ تحسین

(ب) آپ کی تصانیف

(ج) آپ کے تلامذہ

Marfat.com

(ا)

آپ کومختلف لوگوں کی طرف سے جوالقابات ملے درج ذیل ہیں

(i) آفتاب پنجاب : (یہ خطاب حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے دیا)

(ii) ملک العلماء : (یہ خطاب شاہجہان نے دیا)

(iii) دقیقہ سنج محقق، سرخیل علمائے واجب التعظیم: (محمد صالح کنبوہ)

(iv) فاضل لاہوری : (ملا حمد اللہ)

Marfat.com

کلمات تحسین

مختلف صاحبان علم نے آپ کے علم وفضل کے بارے میں جو تبصرہ کیا بعض کا ذکر ہو چکا، چند مزید درج ذیل ہیں۔

(i)

دارالسلطنت لاہور کے مضافات کا قصبہ سیالکوٹ اُن کی ولادت گاہ ہے۔ علم و فضل کے سبب اُنہیں اتنی شہرت حاصل ہے کہ تعارف کی حاجت نہیں۔ اگر اُن کو بوعلی سینا اور ابونصر فارابی کا ہمسر ٹھہرایئے تو بجا ہے اور عقول عشرہ کی صف میں جگہ دیجئے تو زیبا۔ آغاز عمر ہی میں مبدأ فیاض کی عنایت سے تمام علوم وفنون پر حاوی ہو گئے۔ خداداد کمالات اور ذکاوت وذہانت کے سبب علمائے قدیم کی تمام کتابوں پر جن کی تفصیل اس کتاب میں درج کی گئی ہے، حواشی لکھے اور ہر ایک کے دیباچے کو حضرت شاہجہاں بادشاہ کی ذات گرامی سے معنون کیا۔ ساٹھ سال تک درس و تدریس کر کے شریعت اسلامی کے فرائض، سنتوں اور مسائل کی تلقین کرتے رہے۔ رسول کریم ﷺ کے دین کی تعلیم اور اپنی ذات حمیدہ صفات کی برکت سے پنجاب بلکہ سارے ہندوستان کو فیض پہنچایا۔ رفتہ رفتہ اُن کے علم کا درجہ یہاں تک پہنچا کہ بڑے بڑے عالم فاضل اُن کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرتے اور باکمال ادیب طفلان مکتب کی طرح صف بستہ ہوتے۔ ہر شخص اعتراف کرتا کہ خطۂ یونان کا حکیم کامل ارسطو اُن کے سامنے ابجد خواں ہے۔ الغرض اُس مالک فضائل وکمالات سے تمام فاضلان زمانہ نے استفادہ کیا۔ (کنبوہ، محمد صالح، عمل صالح المعروف بہ شاہجہان نامہ، مترجم ڈاکٹر ناظر حسین زیدی، مرکزی اردو بورڈ لاہور، ۱۹۷۴، جلد۳ص ۸۰۶)

Marfat.com

(ii)

خلاصۃ الاثر میں ہے

لم یبلغ احدمن علماء الھند فی وقتہ مابلغ من الشأن والرفعۃ ولا انتھی واحد منھم الی ماانتھی الیہ جمیعح الفضائل عن یدوحاز العلوم و انفرد. (خلاصۃ الاثر جلد۲،ص۳۱۸بحوالہ فقہائے ہنداز محمد اسحاق بھٹی،جلد۴،ص:۵۴)

(iii)

متاخرین میں سے میر سید غلام علی آزادبلگرامی لکھتے ہیں:

علامۂ زماں و افتخار زمانیاں است. الحق درجمیع فنون درسی، مثل اواززمین ھند برنہ خاست . آثارِ دانش بایں کیفیت و کمیت و حسن قبول برصفحۂ روزگار نہ گزاشت ۔

وہ (مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی) علامہ زمان اور فخر اہل زمان ہیں۔ بلاشبہ تمام اصنافِ علومِ درسیہ میں انہیں جودسترس حاصل تھی،اس میں سرزمین ہند میں ان کا کوئی حریف نہ تھا۔ان کےلرودانش کی کیفیت وکمیت اوردنیا میں حسن قبول کے اعتبار سے کوئی ان کا ثانی نہیں گزرا۔

آزادبلگرامی آگے چل کران کی علمی فیض رسانیوں کاذکرکرتے ہوئے کہتے ہیں:

وعرصۂ جہان رابہ لوامع فیض مملوساختہ۔

انہوں نے خطۂ ارض کواپنے فیض علم وفضل کی ضیاپاشی سے بھردیا۔(ماثرالکرام دفتراول ص:۱۹۳،بحوالہ فقہائے ہندجلد۴،ص۵۵)

Marfat.com

(iv)

مولوی رحمان علی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

ملاعبدالحکیم سیالکوٹی علامۂ زمان سرآمد اقران خود (تذکرہ علمائے ہند ص: ۱۱۰ بحوالہ فقہائے ہند جلد ۴ ص ۵۵)

ملاعبدالحکیم سیالکوٹی علامۂ عصر اور اپنے معاصرین میں سب سے فائق تر تھے۔

(v)

فقیر محمد جہلمی لکھتے ہیں:

''وہ بڑے عالم وفاضل، فقیہ، محدث ومفسر، خصوصاً علم معقولات میں یگانۂ آفاق اور صاحب تصانیف عالیہ تھے'' (حدیقۃ الحنفیۃ بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۲ ص: ۸۳۷)

(vi)

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کہ علوم عقلیہ ونقلیہ میں اور بلند مرتبہ تصانیف کے لحاظ سے دیار ہند میں ان کے کوئی مثل نہیں۔ (کشمی، محمد ہاشم، زبدۃ المقامات، مترجم ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں مکتبہ نعمانیہ سیالکوٹ، ۱۴۰۷ھ، ص: ۲۵۲)

Marfat.com

تلامذہ

آپ کے تلامذہ کی تعداد یقیناً کثیر ہوگی مگران کے نام محفوظ نہ رہ سکے۔محمد اسحاق بھٹی نے آپ کے تلامذہ کا مختصر تعارف نقل کیا ہے۔وہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے

(۱) قاضی عبدالرحیم مرادآبادی

قاضی عبدالرحیم بن عبدارشید بہاری ثم مرادآبادی اپنے عصر کے مشاہیر علما میں سے تھے، فاصل کبیر اور دیار ہند کی نامور شخصیت تھے۔نو سال سے زائد عرصہ مولانا سیالکوٹی کی خدمت میں رہے اور علم وفضل کی نعمت عظمیٰ سے بہرہ مند ہوئے۔فارغ التحصیل ہونے کے بعد مرادآباد کی مسند قضا پر متعین کیے گئے۔طویل مدت تک اس خدمت پر مامور رہے اور ساتھ ہی درس وتدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ان سے بہت سے علمانے حصول علم کیا۔ قاضی صاحب مرحوم کا حلقۂ تلمذ مشاہیر علما پر مشتمل تھا۔

(۲) ملا عصمت اللہ سہارن پوری

تذکرۂ یاغستان کے مصنف نے ملا عصمت اللہ سہارن پوری کا شمار مولانا سیالکوٹی کے تلامذہ میں کیا ہے۔عالم کبیر، فاصل جلیل اور معروف فقیہ تھے۔درس وتدریس ان کا اصل مشغلہ تھا۔آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے مگر بقول صاحب ''تذکرہ علمائے ہند'':

در باطن چشم بصیرتش روشن بود

ان کے باطن میں چشم بصیرت روشن تھی۔

انہوں نے کافیہ کی شرح ''الفوائد الضیائیہ'' (یعنی شرح جامی) پر حاشیہ لکھا اور شرح خلاصہ الحساب تحریر کی۔بہت سے علما وطلبا کو ان سے شرف تلمذ حاصل تھا۔

Marfat.com

(۳) مولوی محمد احمد قنوجی

مولانا سیالکوٹی کے تلمذہ کی طویل فہرست میں مولوی محمد احمد قنوجی کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔ یہ اپنے زمانے کے جلیل القدر عالم تھے۔ عمر بھر تعلیم و تدریس میں مصروف رہے۔ کتابیں بھی تصنیف کیں، جن میں منطق کی کتاب صدرا کا حاشیہ لائق تذکرہ ہے۔

(۴) ملا عبدالوہاب پسروری

عہد شاہ عالم کے مشہور عالم اور فرحت الناظرین کے مصنف محمد اسلم پسروری کے جد امجد ملا عبدالوہاب پسروری نے اپنی تصنیف فرحت الناظرین میں ان کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ ملا عبدالوہاب پسروری شاہ جہانی عہد کے عالم تھے اور شاہ جہان ان کے علم و فضل سے اس درجہ متاثر تھا کہ اس نے کئی مرتبہ ان کو وظائف و مناصب سے نوازا اور علامی نواب سعد اللہ خاں کی سعی و کوشش سے اپنے بیٹوں کے نام دو گاؤں شاہ جہان کی طرف سے قبول کیے۔ بعد میں شاہ جہان نے دو مزید دیہات کا اضافہ کر کے یہ تعداد چار تک بڑھا دی تھی۔ یہ دیہات کافی عرصہ ان کے خاندان کے تصرف میں رہے، مگر سکھوں کے دور ہنگامہ میں ان کے قبضے سے نکل گئے۔

ملا عبدالوہاب پسروری نے مولانا سیالکوٹی سے فقہ و اصول اور معانی کی کتابیں پڑھیں اور فارغ التحصیل ہونے کے بعد تمام عمر درس علوم دینی میں صرف کر دی۔ ان سے بہت سے علما و طلبا نے استفادہ کیا۔

(۵) مولوی محمد معظم

مولوی محمد معظم بن احمد صدیقی موضع بنہ کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی سے تحصیل کی اور علوم دینیہ میں اپنے معاصرین سے سبقت لے

Marfat.com

گئے۔قرآن مجید مع تفسیر بیضاوی کے ان کو حفظ تھا۔اورنگ زیب عالم گیر کے بیٹے بہادر شاہ نے ان کو ان کے وطن بنہ کا قاضی مقرر کیا اور چند گاؤں بطور انعام عطا کیے۔عمر بھر مسند تدریس اور منصب قضا پر متعین رہے۔صاحب تصانیف بھی تھے۔قرآن مجید کی تفسیر بھی معرض تحریر میں لائے تھے، مگر وہ سکھوں کے دور استیلا میں نذر آتش کر دی گئی تھی۔علاوہ ازیں مثنوی مولانا روم کی شرح بھی لکھی تھی۔

(۶) ملا عبدالعزیز عزت اکبر آبادی

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے شاگردوں میں ایک عالم دین ملا عبدالعزیز عزت اکبر آبادی تھے۔یہ مولانا عبدالرشید کے بیٹے تھے، جن کا شمار اکابر علماء میں ہوتا تھا۔ملا عبدالعزیز عزت عنفوان شباب ہی میں حصول علم سے فارغ ہو کر درس وافادہ میں مصروف ہو گئے تھے اور اپنے وطن اکبر آباد میں مسند تدریس پر فائز تھے۔ان کی علمی خوبیوں کی بنا پر اورنگ زیب عالم گیر کے دربار میں اکثر ان کا تذکرہ ملتا اور بادشاہ ان کی تعریف کرتا۔ان کے بعض رسائل ومسودات بھی بادشاہ کی نظر سے گزرے تھے۔جنہیں دیکھ کر وہ ان سے بہت متاثر ہوا تھا۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ نے ان کو دربار میں طلب کر کے ''مورد انواع عاطفت'' فرمایا اور ''منصب عمدہ وخدمت عرض مکرر'' کا امتیاز بخشا۔عالم گیر ان کا بہت احترام کرتا تھا اور اس کی ''توجہات روز افزوں'' ان کو حاصل تھیں۔

ملا عبدالعزیز بہت اچھے شاعر بھی تھے اور عزت تخلص کرتے تھے۔

(۷) ملا محمد افضل جون پوری

ملا محمد افضل جون پوری، اپنے عصر کے علامۂ زمان وافتخار زمانیاں تھے۔فنون درسیہ میں مہارت رکھتے تھے، درسیات میں جو فضل وکمال ان کو حاصل تھا، وہ اس عہد کے

Marfat.com

علمائے جن پور میں اس کسی کو حاصل نہ تھا۔ معاصرین میں نہایت احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے اور لوگوں کے دل ان کی عزت سے معمور تھے۔ جون پور سے لاہور آئے اور مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے حلقۂ درس میں شمولیت کی۔ کئی سال ان کی خدمت میں رہے اور علوم مروجہ سے فارغ ہو کر اپنے وطن جون پور کو مراجعت کی۔ جون پور میں ایک مدرسہ قائم کیا، جس سے بے شمار تشنگان علوم نے اپنی علم تشنگی بجھائی۔ یہ ہندوستان میں جہاں گیر کا عہد تھا۔ وہ ان کی بہت تکریم کرتا تھا، اور انہیں ''استاد الملک'' کے خطاب سے نوازا تھا۔ مدرسہ شاہی میں تدریس کے فرائض بھی ان کے سپرد تھے۔ ان کے لیے جاگیر بھی مقرر کی تھی۔

(۸) مولانا عبداللہ لبیب

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے ایک شاگرد خود ان کے بیٹے مولانا عبداللہ لبیب تھے، جن کے زمانۂ طالب علمی میں ان کے استفادے کے لیے انہوں نے متعدد کتابوں پر حواشی تحریر کیے۔ یہ جلیل القدر عالم تھے۔

مولانا عبداللہ لبیب نے معقولات و منقولات کا علم اپنے والد مکرم سے حاصل کیا تھا اور حدیث رسول اللہ ﷺ کی تحصیل شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے فرزند شیخ نورالحق دہلوی سے کی تھی۔

مغل حکمران اورنگ زیب عالم گیر مولانا عبداللہ لبیب کے علم و فضل کی فراوانی سے بہت متاثر تھا اور ان کی بہت تکریم کرتا تھا۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ ۱۰۸۶ھ میں لاہور آیا تو مولانا ممدوح سے ملاقات کا متمنی ہوا، اور انتہائی اعزاز و اکرام سے انہیں سیالکوٹ سے لاہور بلایا گیا۔ بادشاہ نے ان سے مل کر بہت خوشی کا اظہار کیا اور وہ تمام اعزازات جو ان کے والد مولانا عبدالحکیم کو حاصل تھے، ان کے لیے برقرار رکھے اور ان میں کچھ اضافہ بھی کیا۔ خلعت خاص، دوسو اشرفیاں اور ایک ہاتھی دے کر انہیں رخصت کیا۔

Marfat.com

ایک روایت کے مطابق اورنگ زیب نے انہیں اجمیر بلایا اور اجمیر کی صدارت عظمیٰ پیش کرنا چاہی۔ مگر بقول بختاور خاں کے مولانا نے یہ کہہ کر بادشاہ کی پیش کش قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ:

الحال سین عمر ستین رسیدہ، وقت ترک نوکری است نہ اختیار نوکری۔

اب جبکہ عمر ساٹھ سال کو پہنچ گئی ہے، یہ ترک نوکری کا وقت ہے، نہ کہ نوکری اختیار کرنے کا۔

علامہ عبدالحی حسنی لکھنوی فرماتے ہیں کہ بادشاہ نے ایک خط کے ذریعے مولانا عبداللہ لبیب کو یہ پیش کش کی تھی اس کے جواب میں انہوں نے لکھا:

ان الزمان زمان الفراق

کہ اب دنیا سے رخصت ہونے کا وقت آ گیا ہے۔

مرآۃ العالم میں بختاور خاں کا بیان ہے کہ مولانا عبداللہ لبیب، گوشہ نشین عالم دین تھے اور ارباب حکومت سے الگ تھلگ رہتے تھے۔

بحفظ کلام مجید وقلت اختلاط بارباب دول ورغبت طبع بانزوا و گوشہ نشینی بر والد ماجد خود مزیت داشت۔

یعنی وہ قرآن مجیدک حفظ اور اصحاب حکومت سے عدم رغبت وقلت اختطاط کے اوصاف سے متصف تھے اور ارباب دولت سے ملنے کے بجائے علیحدگی و گوشہ نشینی کو ترجیح دیتے تھے اور اس سلسلے میں اپنے والد (مولانا عبدالحکیم) پر فوقیت رکھتے تھے۔

اس عظیم المرتبت عالم نے اورنگ زیب عالم گیر کے چھبسیویں ۲۶ سال جلوس میں ۱۰۹۴ھ کو وفات پائی۔

Marfat.com

حیات وخدمات سیالکوٹی کے مآخذ

(۱) Mulla Abd al Hakim fo Sialkot, his life and work

یہ امین اللہ وثیر کا مقالہ، پی ایچ ڈی کے لئے پنجاب یونیورسٹی لاہور میں ۱۹۶۹ء میں پیش کیا گیا۔

(۲) مآثر عالمگیری (محمد ساقی مستعد خان)

(۳) بادشاہ نامہ (عبدالحمید لاہوری)

(۴) الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند (عبدالحی الحسنی)

(۵) سیاحت ہند (عبدالرحمن امرتسری)

(۶) مرآۃ العالم (بختاور خاں)

(۷) رودکوثر (ایس ایم اکرام)

(۸) علمائے ہند کا شاندار ماضی (محمد میاں)

(۹) ہدیۃ العارفین (اسماعیل پاشا)

(۱۰) الاعلام (زرکلی جلد۲)

(۱۱) پاکستان میں فارسی ادب

(۱۲) دانشنامۂ ادب فارسی (ایڈیٹر حسن انوشہ)

(۱۳) نگاھی بہ تاریخ ادب فارسی در ھند

(۱۴) Dictionary of Indo-Persian literatvre

(۱۵) ملا عبدالحکیم سیالکوٹی (مقالہ برائے ایم اے از رفعت قریشی ۱۹۶۹ء)

☆☆☆

Marfat.com

تصانیف

آپ کی تصانیف کا تذکرہ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں کیا۔

عبدالحی الحسنی عبدالحکیم سیالکوٹی کو ''صاحب التصانیف الفائقه والتالیف الرائقة'' کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ان کا کہنا ہے:

ویدرس ویصنف و تصانیفه کلها مقبولة عندالعلماء محبوبة الیهم ولا سیما عند علماء بلاد الروم تینافسون فیها وهی جریرة بذلک

مولانا عبدالحکیم فرائض تدریس انجام دیتے اور مصروف تصنیف رہتے تھےاور ان کی تمام تصانیف حلقۂ علماء میں مقبول ہیں اور وہ انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔بالخصوص بلادِ روم سے تعلق رکھنے والے علمائے کرام ان ی تصانیف سے ایک دوسرے سے بڑھ کر رغبت رکھتے ہیں اور یہ تصانیف اس قدر افزائی کی مستحق بھی ہیں۔(اردو دائرہ معارف اسلامیہ اور فقہائے ہند)

محمد الدین فوق نے ان تصانیف کی فہرست دی ہے مگر وہ موضوعاتی اعتبار سے نہیں۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار نے موضوعاتی اعتبار سے درج ذیل فہرست مرتب کی ہے۔

(الف) تفسیر میں

(۱) حواشی علی تفسیر البیضاوی، تفسیر البیضاوی کا اہم حصہ پہلی دو سورتوں کی تفسیر ہے، اس حصے پر کئی علما نے حواشی لکھے ہیں، مگر عبدالحکیم کے حواشی اساتذہ و تلامذہ میں بہت ہی مشہور اور متداول ہیں۔حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں تعریف کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ محمد محبی نے خلاصۃ الاثر فی اعیان القرن الحادی عشر میں لکھا ہے: ''رأیتها و طالعتُ فیها

Marfat.com

أبـحـاثًا دقيقةً ''پروفیسر مرجلیوت (Morgoloth) کتاب Chrestomathia Baidawiana کے دیباچے میں ان حواشی کی تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ''میں نے ان سے فائدہ اٹھایا ہے'' (مطبوعہ)، (۲) حاشیۃ علی الکشاف غیر مطبوعہ۔

(ب) فقہ میں:

(۳)حاشية على التلويح ، غير مطبوعه (۴)حاشية على الحسامى (مطبوعه)

(ج) علم کلام میں:

(۵) حاشية على الخيالى (مطبوعه)، (۶)حاشية على شرح العقائد الجلالى (مطبوعه)، (۷)حاشية على شرح المواقف (مطبوعه)، (۸)الرسالة الخاقانية الموسومة بالدر الثمين (غير مطبوعه)، (۹) زبدة الافكار (غير مطبوعه)

(د) علم منطق وفلسفہ میں:

(۱۰) حاشية على مير قطبى (غير مطبوعه) (۱۱)حاشية على حاشية مطالع النوار (مطبوعه)، (۱۲)حاشية على قطبى (غير مطبوعه)، (۱۳) حاشية على ميبذى (غير مطبوعه)

(ہ) صرف ونحو ومعانی میں:

(۱۴) حاشية على المُطَّول (مطبوعه)، (۱۵)حاشية على حاشية عبدالغفور (مطبوعه)

ان کے علاوہ مندرجہ ذیل کتب بھی انہیں کی تصنیف ہیں، لیکن وہ طبع ہوئیں نہ کہیں ان کا مخطوطات کی شکل میں موجود ہونا معلوم ہے

(۱)حاشية شرح حكمة العين، (۲) حواشی برشرح مراح

Marfat.com

الارواح، (۳)شیخ عبدالقادر جیلانی کی غنیة الطالبین کا ترجمه فارسی.
(یہ ترجمہ دہلی سے ۱۳۰۰ھ میں چھپ چکا ہے)(۴) القول المحیط (۵) حاشیة
شرح تهذیب (مندرجہ بالاشروح وحواشی کے علاوہ بھی عبدالحکیم کی بعض تصانیف و
تالیفات کے نام ملتے ہیں) چند نام درج ذیل ہیں

(۱)اثبات الامامة (۲)زاد اللبیب فی سفر الحبیب(۳)دلائل
التجدید (۴) سیلکوتی التصورات.

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ اور دانشنامہ ادب فارسی جلد۴ص:۱۶۸۸)

Marfat.com

بعض تصانیف کا تعارف

محمد الدین فوق نے آپ کی تین کتب کا تعارف نقل کیا ہے محمد اسحاق بھٹی اور اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار نے بعض کتب کا تفصیلی تعارف دیا ہے جو کہ درج ذیل ہے

(۱) ملا عبدالحکیم کا حاشیہ بیضاوی:

ہندی اہل علم کا یہ وہ دور تھا جب مدارس دینیہ میں تفسیر بیضاوی کا وہ باقاعدہ درس دینے لگے تھے اور اس پر تعلیقات و حواشی کا ایک وسیع سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے بھی جو مسند تدریس پر فائز تھے اور طلبا کو تفسیر بیضاوی پڑھاتے تھے، اس کی شرح ضبط کتابت میں لانے کا ارادہ کیا اور اس کے مشکل و مغلق مباحث کو سلجھانے کی طرف عنان توجہ مبذول فرمائی۔ لیکن کتاب چونکہ دقیق مسائل کو محیط ہے اس لیے مولانا کو معلوم تھا کہ شرح کے باوجود اس کی پیچیدہ گرہوں کی عقدہ کشائی ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس کا اظہار وہ مقدمۂ کتاب میں ان الفاظ سے کرتے ہیں:

ان التفسیر العتیق و البحر العمیق، المسمی بانوار التنزیل، للامام الهمام، قدوة علماء الاسلام، سلطان المحققین، برهان المدققین القاضی ناصر الدین عبدالله البیضاوی قد استنهذ العلماء بحل مشکالاته واسهر الاذکیاء احد اقهم لفتح مغلقاته، اِلّاانّه لو جازة العبارات واحتوائه الاشارات، جل ان یکون شریعة لکل

Marfat.com

وارد، وان يطلع عليه الا واحد بعد واحد.

وہ تفسیر قدیم اور (علوم قرآنی کا) بحرِعمیق، جو انوار التنزیل کے نام سے موسوم ہے اور محققوں کے بادشاہ اور دقیقہ سنجوں کی برہان قاضی ناصرالدین عبداللہ بیضاوی کی تصنیف ہے۔ علمائے نامدار اس کے مشکل مباحث کی عقدہ کشائی کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں، اور اذکیائے دوراں نے اس کے پیچیدہ مسائل کی وضاحت کے لیے اپنی آنکھوں کو شب بیداری کرائی ہے۔ لیکن یہ کتاب اپنی عبارتوں کے ایجاز کی وجہ سے اور اشارات علمیہ پر محتوی ہونے کے باعث، اس سے کہیں بلند ہے کہ ہر اترنے والے کے لیے پانی کا گھاٹ بن جائے (یعنی ہر شخص کے فہم کی گرفت میں آ جائے) اور یکے بعد دیگرے سب لوگ اس کے دقائق وغوامض پر مطلع ہو جائیں۔

مولانا سیالکوٹی چوں کہ بہت بڑے عالم اور وسیع المطالعہ شخص تھے، اس لیے انہیں ذاتی طور پر یقین تھا کہ تفسیر بیضاوی کے غوامض و مغلقات کے حل و کشود سے بخوبی عہدہ برآ ہو سکتے ہیں لیکن اس سے تعلق رکھنے والے اہل علم ان کے اس دعوے کو تسلیم کرنے سے متامل تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ صرف ان کی زبانی باتیں ہیں عملاً اس عظیم کام کی تکمیل بہت مشکل ہے۔ ان لوگوں نے مولانا ممدوح سے بیضاوی کے مغلقات کے بارے میں کچھ سوالات کیے اور ان کے جواب کے طالب ہوئے۔ مولانا نے ان کو تسلی بخش جواب دیے۔ تحریر فرماتے ہیں:

فقلت لهم ايها الخلان الدينية والاخوان الروحانية، انى أنست ناراً بوادى هذا الكتب، اتيكم منها بقبس لعلكم

Marfat.com

تـصـطلون، فاستكشفوا منى بعض مظان لبسه فعرضت لهـم مـاورد فى خلده عند درسه من حل يفيد بردقلوب اولى الابصار و زيادات وقعت الظفرة عنها.

میں نے ان سے کہا، اے دینی دوستو اور روحانی بھائیو۔! میں نے اس کتاب کی وادی میں آگ دیکھی ہے۔ میں اس سے کچھ انگارے لاتا ہوں تا کہ تم اس سے تاپ سکو۔ اب انہوں نے مجھ سے درخواست کی کہ اس کی بعض ان مقامات کی وضاحت کروں، جہاں شکوک وشبہات کا خیال ہے۔ چنانچہ میں نے ان کے سامنے وہ فوائد علمی پیش کیے جو اس کتاب کا درس دیتے وقت میری سطح قلب پر ابھرے تھے۔ یہ ان مشکل مسائل کے ایسے حل تھے جس سے اہل علم اور اصحاب عقل کے دلوں کو ٹھنڈک اور تسکین پہنچتی ہے۔ یہ حال ان زیادات وافادات کو محیط تھے، جن پر مجھے دسترس ہوئی۔

مولانا نے جب یہ دعویٰ کیا اور مغلقات کی توضیح وتشریح کے بارے میں ایک بات کہی تو ہر طرف کے اہل علم ان سے عرض کناں ہوئے کہ ان مقامات کی وضاحت فرمائی جائے۔ لیکن غربت وتنگ دستی اور مال ومکان کی تنگی احباب کی اس خواہش وتمنا کی راہ میں رکاوٹ بن گئی، جس کا ذکر ون ان الفاظ میں کرتے ہیں:

فـاقترحو ا ان تتقيد هذه الاباعد تذكرة للاحباب النظار فـعللتهم بتفرق البال و تشتت الحال، اذا كنت مطر وحاً بمكان قفر جل بضاعتى فيه فقر.

انہوں نے اصرار کیا کہ میں ان دقیق مسائل کو قلم بند کردوں جو ہر

Marfat.com

شخص کے فکر و فہم کی گرفت میں آنے والے نہیں ہیں، تاکہ اہل نظر احباب کے لیے وہ ایک تذکرہ ثابت ہوں۔ لیکن میں نے ان سے عدم اطمینان قلب اور پراگندگی، حال کا بہانہ کیا۔ کیوں کہ میں اس زمانے میں ایک بالکل خالی مکان میں پڑا ہوا تھا۔ جہاں میری سب سے قیمتی متاع فقر اور بے سروسامانی تھی۔

مولانا کی یہ سخت ذہنی پریشانی اور شدید مالی بدحالی کا زمانہ ہے، اور ہندوستان میں یہ جہاں گیر کا عہد حکومت ہے، جبکہ بعض دیگر فضلائے عصر اور علمائے روزگار کی طرح مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی سرکار کی نظر عنایت کی سرحدوں سے باہر اور حکومت کے گوشۂ چشم التفات سے دور تھے۔ اسی لیے اپنی گوناگوں پریشانیوں کی وجہ سے تحشیہ بیضاوی تحریر کرنے سے قاصر اور اپنے ذی علم احباب کی درخواست کو شرف قبولیت بخشنے سے عاجز تھے۔ اس قسم کے خالص علمی کام دلجمعی اور سکون خاطر کی متقاضی ہوتے ہیں، لیکن وہ اس سے محروم تھے۔ جہاں گیر کے بعد شاہ جہان تخت ہند کا وارث بنا تو سرکاری سطح پر علما کے وقار واحترام میں بھی اضافہ ہوا۔ مولانا سیالکوٹی نے اس سے ملاقات کی تو وہ ان کے علم وفضل کی فراوانی سے بہت متاثر ہوا اور انہیں صلات و جوائز سے سرفراز کیا۔ اب وہ ذہنی وفکری طور پر بالکل مطمئن تھے، چنانچہ دوستوں کے تقاضوں کو عملی شکل دینے کے لیے میدان میں نکلے اور قلم ہاتھ میں پکڑا۔ فرماتے ہیں:

> حتی جذب صنیعی و جمع شتات عمری دولة السلطان.....ابو المظفر شهاب الدين محمد شاه جهان بادشاه..... وهدات بعين عنايته ملحوظا و بين اعين الناس مغبوطاً. فعيت بى العلل وضاقت على الحيل،

Marfat.com

فشرعت فی جمع ما سمح به خاطری العلیل و ذهنی الکلیل......جاداً فی تحقیق معانیه، بائعاً عن رموز مبانیه، مومیاً فی اثنائه الیٰ اجوبة شکوک الناظرین......فجاء ت بعون اللہ کنزاً لا یحصیٰ فوائده، وبحر الایقضٰی فرائده.

تا آنکہ سلطان ابو المظفر شہاب الدین محمد شاہ جہان بادشاہ...... کی دولت نے مجھے کھینچ لیا اور میرے انتشار طبع کو، اطمینان خاطر سے بدل دیا...... میں اس کی نظر عنایت میں سما گیا اور اعیان ملک میں محسود اقران بن گیا۔ اب حیلہ جوئی میرے لیے ناممکن ہو گئی اور بہانوں کے دائرے مجھ پر تنگ ہو گئے۔ پس میں نے نکات وفوائد جمع کرنے سے شروع کیے جو میری بیمار طبیعت اور کمزور ذہن میں آئے تھے......لیکن ان کی ترتیب وتدوین میں، میں نے تحقیق معانی کو پیش نگاہ رکھا اور ان کے بنیادی مسائل کو موضوع بحث ٹھہرایا۔ نیز اس تحریر میں قارئین کے شبہات کے جواب کی طرف اشارہ کناں رہا...... چنانچہ اللہ کی مدد سے ایسا خزانہ معرض ظہور میں آیا اور ذہن نے اُگلا جو بے شمار فوائد پر مشتمل ہے اور ایسا سمندر سامنے نمودار ہوا، جس کے موتیوں کا ختم ہونا ناممکن ہے۔

اس طرح پہلے پارے کی تفسیر کا حاشیہ مکمل کر کے انہوں نے شاہ جہان کو پیش کیا۔ لکھتے ہیں:

ثم لما فرغت من تسوید ما یتعلق بتفسیر الجزء الاول...
جعلته عراضة لسدة السنیة و تحفة لخدمة العلیة.

Marfat.com

پھر جب میں پہلے پارے کی تفسیر سے متعلق تحشیہ سے فارغ ہوا.....تو اسے (شاہ جہان بادشاہ کے) آستانۂ بلند کی لیے پیش کیا اور اس کی خدمت عالیہ کے لیے اسے تحفہ بنایا۔

شاہ جہان کے ملاحظہ میں آنے کے بعد انہوں نے تفسیر کے دوسرے جز کا حاشیہ لکھا اور عہد شاہ جہانی کی یہ عظیم خدمت معرض ظہور میں آئی۔ اس تحشیہ نے اتنی مقبولیت حاصل کی کہ اسے مصر اور روم کے علما نے بھی پسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔ یہ حاشیہ ہندوستان میں بھی چھپ چکا ہے اور مصر میں بھی۔

مولانا سیالکوٹی کے اس حاشیے کی خصوصیات یہ ہیں:

- ☆ تفسیر بیضاوی کے مشکل الفاظ کی لغوی ونحوی تشریح وتوضیح کی گئی ہے۔
- ☆ ایسے جملے جو مغلق اور وضاحت طلب ہیں، ان کو واضح کیا گیا ہے اور ان کی پوری طرح صراحت فرمائی گئی ہے۔
- ☆ ان احادیث کی، جو تفسیر بیضاوی میں درج ہیں، سند بیان کر دی ہے اور جن کا مختصر الفاظ میں ذکر ہے، ان کا پورا متن درج کر دیا ہے۔

(۲) حاشیہ کشاف:

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے زمخشری کی تفسیر کشاف کا حاشیہ بھی لکھا ہے، جو غیر مطبوعہ ہے اور جس کا قلمی نسخہ ہندوستان کی رام پور لائبریری میں موجود ہے۔

(۳) حاشیہ مقدمات تلویح توضیح:

تلویح توضیح، اصول فقہ کی ایک اہم کتاب ہے۔ اس کا متن "تنقیح الاصول" ہے۔ جو صدر الشریعہ عبیداللہ بن مسعود المحبوبی (متوفی ۷۴۷ھ) کی تصنیف ہے۔۔ بعد کو

Marfat.com

تنقیح الاصول کی شرح صدر الشریعۃ نے خود ہی لکھی، جس کو ''التوضیح فی حل غوامض التنقیح'' کے نام سے موسوم کیا۔ لیکن یہ شرح بجائے خود شرح طلب اور مزید وضاحت کی متقاضی تھی، اس لیے علماء نے اس پر حواشی تحریر کیے۔ اس کی سب سے اہم اور پہلی شرح علامہ سعد الدین تفتازانی شافعی (متوفی ۷۹۲ھ) نے ۷۵۸ھ میں ''التلویح فی کشف حقائق التنقیح'' کے نام سے لکھی۔ سب سے زیادہ مقبولیت اسی حاشیہ ''تلویح'' کو حاصل ہوئی۔ اور پھر بہت جلد اس حاشیہ نے اصول فقہ کی مستند درسی کتاب کی حیثیت اختیار کر لی اور اسے مدارس عربیہ کے اعلیٰ نصاب میں شامل کیا گیا، جسے اب بھی برصغیر کے مدارس میں باقاعدہ پڑھایا جاتا ہے۔

واقعات کی ترتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے قبل ہندوستان میں ''اصول بزدوی'' مروج تھی۔ سلطان محمد تغلق (۷۲۵ھ۔۷۵۲ھ) کے عہد میں ''حسامی'' کا ذکر بھی آتا ہے، جس پر عہد تغلق کے ہندی عالم مولانا معین الدین عمرانی دہلوی نے حاشیہ تحریری کیا تھا۔ بعد ازاں ''المنار'' بھی مدارس میں آ گئی۔ چنانچہ آٹھویں صدی ہجری کے نصف ثانی میں جب سلطان فیروز شاہ تغلق نے دہلی کے حوض خاص پر مدرسہ تعمیر کیا تو اس میں سید یوسف بن سید جمال حسینی (متوفی ۷۹۰ھ) کو مدرس مقرر کیا جو دراصل ملتان کے باشندے تھے اور دہلی چلے گئے تھے۔ انہوں نے ''توجیہ الافکار'' کے نام سے ''المنار'' کی شرح سپرد قلم کی، جس کا تذکرہ شیخ عبدالحق دہلوی ان الفاظ میں کرتے ہیں:

سید یوسف بن سید جمال الحسینی...... بر منار نیز شرح دارد مسمیٰ بتوجیہ الافکار۔

تلویح توضیح کی ترویج مدارس ہند میں غالباً نویں صدی ہجری میں ہوئی، جب اس ملک کے علما علامہ سعد الدین تفتازانی سے تعلیم حاصل کر کے یہاں آئے۔ ہندوستان کے علما میں سب سے پہلے تلویح کا حاشیہ شیخ وجیہ الدین گجراتی نے کیا۔ اس کے دوسرے محشی

Marfat.com

شیخ یعقوب بن حسن صرفی کشمیری تھے جو نہ صرف کشمیر کے علما وفضلا میں بلکہ پورے ہند میں بلند مرتبے کے حامل تھے۔ان کے علاوہ شیخ نورالدین محمد صالح گجراتی، شیخ محمد عاشق چریاکوٹی اور مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے فرزند شیخ عبداللہ لبیب نے تلویح توضیح کے حواشی قلم بند کیے۔متاخرین میں مولانا جمال بن رکن الدین گجراتی، شیخ امان اللہ بنارسی اور قاضی عبدالحق بن محمد اعظم کابلی کے نام اس کے حاشیہ نویسوں میں لائق تذکرہ ہیں۔

تلویح توضیح کا معرکہ آراحصہ ''مقدمات اربعه '' کا ہے، جو''حسن و قبح افعال '' کے مسئلے کی وضاحت سے متعلق ہے۔یہ بحث اگر چہ مسئلہ جبر واختیار کے بارے میں علم کلام سے تعلق رکھتی ہے،لیکن اصول فقہ میں بھی اس سے تعرض کیا گیا ہے۔

ہندی علما نے پوری تلویح توضیح پر حواشی لکھے اور بڑی عمدگی سے اس خدمت علمی سے عہدہ برآ ہوئے۔مگر مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی اس معاملے میں منفرد حیثیت رکھتے ہیں۔انہوں نے صرف تلویح توضیح کے مقدمات اربعہ کی تشریح کی اور اس اہم بحث کو اپنی کاوش فکر کا موضوع ٹھہرایا۔

(۴) حاشیہ شرح عقائد نسفی:

عقائد وکلام ایک اہم موضوع ہے، اس پر بہت سی کتابیں ضبط تحریر میں لائی گئیں، جن میں ایک کتاب ''عقائد نسفی'' ہے۔احناف میں اس کو بڑی قبولیت کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔اس کے مصنف علامہ نجم الدین عمر بن محمد النسفی (متوفی ۵۳۷ھ) ہیں۔متعدد علما نے اس کی شروح لکھیں، جن میں ایک شرح، جو''شرح عقائد نسفی'' کے نام سے متداول ہے، علامہ سعد الدین تفتازانی نے لکھی اور بہت جلد مدارس عربیہ میں شامل ہوگئی ہمارے ممدوح مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے اس کی اہمیت واضح کی ہے اور لکھا ہے کہ علما نے شرح عقائد نسفی کے حواشی تحریر کیے اور اس میں جو امور وضاحت طلب ہیں، ان کو حل کیا۔

Marfat.com

فاما طواعنه الغواشی کتبوا علیه الحواشی.

علما نے اس کی تہہ میں چھپے ہوئے مطالب کو ظاہر کیا اور اس پر حاشیے لکھے۔

برصغیر پاک و ہند میں شرح عقائد نسفی کو ذکر سب سے پہلے دسویں صدی ہجری کے واقعات کے ضمن میں عہد ہمایوں کے مشہور عالم مولانا حاتم سنبھلی (متوفی ۹۶۹ھ) کے حالات میں ملتا ہی۔ وہ اس طرح کی عہد ہمایوں میں جو علما مغل فاتحین کے ساتھ وارد ہند ہوئے، ان میں ایک ملا علاء الدین لاری تھے، جن کو اپنے علم و فضل پر اس درجہ ناز تھا کہ کسی ہندی عالم کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ انہوں نے شرح عقائد نسفی پر حاشیہ قلم بند کیا اور بڑے فخر کے ساتھ مولانا حاتم سنبھلی کو بغرض تبصرہ پیش کیا۔ مولانا حاتم سنبھلی نے یہ حاشیہ دیکھا تو اس پر ایسے دقیق اور وزنی اعتراض کیے کہ ملا علاء الدین لاری سے ان کا کوئی جواب نہ بن پڑا۔ یہ واقعہ ملا عبدالقادر بدایونی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

چوں ملا علاء الدین لاری بدعویٰ تمام حاشیہ را کہ بر شرح عقائد نسفی نوشتہ، نزد میاں بردہ۔ بعد از مطالعہ چنداں تدقیق کردہ اند کہ ملا علاء الدین راہیچ جواب نماند۔

یعنی ملا علاء الدین لاری بدعویٰ علم کے ساتھ وہ حاشیہ جو انہوں نے شرح عقائد نسفی پر لکھا تھا، میاں حاتم سنبھلی کے پاس لے گئے۔ انہوں نے مطالعہ کے بعد اس پر اس قدر دقیق علمی اعتراض وارد کیے کہ ملا علاء الدین ان کا کوئی جواب نہ دے سکے۔

اس طرح شرح عقائد نسفی مدارس ہند میں آئی۔ پھر اس پر کئی علمائے ہند نے حواشی لکھے، جن میں مولانا علاء الدین لاری، شیخ نظام الدین بدخشی اور مولانا وجیہ الدین گجراتی کے نام زیادہ مشہور ہیں۔

اس پر ایک حاشیہ، علمائے روم میں کے ایک عالم مولیٰ احمد بن موسیٰ الخیالی نے بھی لکھا تھا، جو اپنی محشی کے نام کی مناسبت سے حاشیہ خیالی کے نام سے معروف ہے۔ شرح

Marfat.com

عقائد نسفی کا یہ بہت عمدہ حاشیہ ہے، اور عربی مدارس کے علما و طلبا میں متداول و مشہور۔! دیگر ممالک کے علما کی طرح خطۂ ہند کے علما نے بھی اس کو مرکز توجہ ٹھہرایا۔ چونکہ یہ داخل نصاب ہو گیا تھا، اس لیے متعدد ہندی علما نے اس پر حواشی لکھے، جن میں گیارھویں صدی ہجری کے اصحاب علم میں سے مولانا عبدالسلام دیوی، شیخ محمد سعید سرہندی اور مفتی وجیہ الدین گوپاموی کے نام لائق تذکرہ ہیں۔

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے بھی اس کو اپنی کاوش فکر کے لیے منتخب فرمایا۔ اس پر علمائے روم نے بھی حواشی لکھے ہیں اور علمائے ہند نے بھی، لیکن طلبائے علم ان حواشی سے مطمئن نہ تھے۔ اس ضمن میں خود ان ہی کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

لکن ما اتوا بما یروی الغلیل اویشفی العلیل، لما ان ابکاره آبیه عن خطبة کل عاذب و مخدواته محتجبة لاتجلی لکل طالب.

لیکن ان حاشیہ نویس علما نے کوئی ایسی بات نہیں کہی جو لوگوں کی علمی تشنگی دور کر سکتی، یا بیماروں کو حقیقی شفا بخشنے کے قابل ہوتی، کیوں کہ کتاب کے گہرے مسائل کے نقاب میں چھپی ہوئی دوشیزہ ہر شخص کو پیغام شادی دینے سے انکار کرتی ہے اور اس کے پردوں میں مستور غوامض ہر طلب گار کے سامنے اپنا نقاب نہیں اٹھاتے۔

ان حواشی میں جو کمی رہ گئی تھی، مولانا سیالکوٹی کے حاشیہ نے اس کو کماحقہٗ پورا کر دیا اور قاری کی سطح ذہن پر جو شبہات ابھر سکتے تھے، انہیں بطریق احسن رفع فرمادیا۔ لکھتے ہیں:

فصرفت برهة من عنفوان الشباب فی حل مبانیه و انتهبت فرصة عن اعین الزمان لتحقیق معانیه......فحققت مقاصده و بینت مصادره و موارده......مجیباً عن شبهة

Marfat.com

الناظرين فجاء بحمد الله تعالیٰ موافقاً للمامول و تم بعون الله تعالیٰ مطابقاً للمسئول.

سو میں نے اپنے عنفوان شباب کا ایک حصہ اس کے بنیادی مسائل کو حل کرنے میں صرف کر دیا اور اس کے تحقیق معانی کی غرض سے زمانے کی آنکھوں سے فرصت کے کچھ لمحات اڑا لیے......اس کے مقاصد و مطالب کی گہرائی تک پہنچا اور اس کے مصادر و موارد بیان کیے......کتاب پڑھنے والوں کے شبہات کا جواب دیا۔اس طرح یہ کتاب توقع کی عین مطابق ہو گئی۔الحمد للہ تعالیٰ، اللہ کی مدد سے دوستوں کی تمنا کے ہم آہنگ ہو گئی۔

حاجی خلیفہ نے بھی کشف الظنون میں مولانا سیالکوٹی کے حاشیہ بر حاشیہ خیالی کا ذکر کیا ہے اور اس کو بہترین حاشیہ قرار دیا ہے:

وعلى الخيالى حاشية......للملا عبدالحكيم بن شمس الدين الهندى السيالكوٹی متوفی سنه سبع و ستين والف وهى احسن الحواشى مقبولة عند العلماء.

اور خیالی پر......ملا عبدالحکیم بن شمس الدین ہندی سیالکوٹی نے حاشیہ تحریر کیا، جو ۱۰۶۷ھ میں فوت ہوئے۔خیالی کا یہ بہترین حاشیہ ہے اور علما میں مقبول و مشہور ہے۔

مولانا لکھتے ہیں کہ یہ حاشیہ انہوں نے بادشاہ ہند شاہ جہان کے نام معنون کیا۔

(۵) حاشیہ شرح عقائد ملا جلال دوّانی:

قاضی عضد الدین الایجی (متوفی ۷۵۶ھ) کی عقائد میں ایک کتاب عقائد عضدی کے نام سے معروف ہے، جس کی بہت سے علما نے شرحیں لکھیں۔ان میں ایک شرح

Marfat.com

محقق دوانی یعنی علامہ جلالا الدین دوانی (متوفی ۹۰۸ھ) نے بھی لکھی جو ''شرح عقائد جلالی'' کے نام سے ہمارے مدارس میں متداول رہی ہے اور علما وطلبا اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ بعد میں شرح عقائد جلالی پر علما نے حواشی تحریر کیے، جن میں خود محقق دوانی کے بعض جلیل القدر تلامذہ بھی شامل ہیں۔

شرح عقائد جلالی جب برصغیر میں پہنچی اور علمائے ہند میں مروج ہوئی تو اس پر مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے حاشیہ لکھا اور مولانا ہی اس برصغیر کے پہلے عالم ہیں، جنہوں نے اس اہم کتاب کو تحشیہ کے لیے منتخب کیا۔ بعدازاں دیگر علمائے ہند نے اس پر حواشی تحریر کیے۔

(٦) حاشیہ شرح المواقف:

قاضی عضدالدین الأیجی (متوفی ۷۵۶ھ) کے متون میں علم الکلام سے متعلق ''المو قف فی الکلام'' کو ایک متن متین کی حیثیت حاصل ہے۔ اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اس دور کے وہ سلاطین وملوک جن کو اس کی عظمت کا علم تھا، متمنی تھے کہ اس کے فاضل مصنف، علم کلام کے اس عظیم شاہ کار کا انتساب اس کے نام کریں۔ ان سلاطین میں ہندوستان کا بادشاہ سلطان محمد تغلق بھی شامل ہے۔ چنانچہ سلطان محمد تغلق (متوفی ۷۵۲ھ) نے قاضی عضدالدین کو ہندوستان لانے اور ان کی کتاب ''المواقف'' کو اپنے نام معنون ومنسوب کرانے کے لیے دہلی کے نامور فاضل مولانا معین الدین عمرانی کو شیراز بھیجا۔

المواقف پر متعدد اہل علم نے حواشی وشروح لکھے جن میں ایک شرح میر سید شریف جرجانی کی ہے، جو محمد بن مبارک شاہ منطقی کے شاگرد تھے اور محمد بن مبارک نے براہ راست مصنف ''المواقف'' قاضی عضدالدین سے یہ کتاب پڑھی تھی۔ گویا میر سید شریف جرجانی کو صرف ایک واسطے سے قاضی موصوف کا شرف تلمذ حاصل تھا۔ یہ نہایت عمدہ شرح

Marfat.com

ہے اور مدارس عربیہ میں عرصے تک متداول رہی ہے۔

سید شریف جرجانی (متوفی ۸۱۶ھ) کی شرح المواقف پر ایک حاشیہ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے لکھا اور واقعہ یہ ہے کہ فضلائے ہند میں سے اسی حاشیہ کو سب سے زیادہ قبولیت اور آشرف حاصل ہوا۔ ہندوستان کے باہر کے اہل علم میں بھی اس کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ حاجی خلیفہ نے ہندی علما کے حواشی میں سے صرف مولانا سیالکوٹی کے حاشیہ کا ذکر کیا ہے۔

وعلیٰ شرح المواقف للسید حاشیة لعبد الحکیم السیالکوتی اللاهوری.

اور میر سید شریف جرجانی کی شرح مواقف پر مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی لاہوری نے حاشیہ لکھا۔

بیرون ہند میں اس حاشیہ کی مقبولیت کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ استنبول اور مصر میں شرح مواقف کے تین حاشیے طبع ہوئے ہیں، جن میں ایک حاشیہ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کا ہے۔

لیکن مولانا سیالکوٹی کا حاشیہ شرح المواقف مکمل نہیں ہے، صرف موقف خامس (پانچویں موقف) تک ہے۔ مولانا ممدوح، مقدمہ حاشیہ میں خود وضاحت کرتے ہیں کہ یہ حاشیہ انہوں نے اپنے بیٹے مولانا عبداللہ لبیب کے لیے، جبکہ وہ یہ کتاب ان سے پڑھتے تھے، لکھا تھا۔ مولانا کے الفاظ یہ ہیں:

هذه فوائد بل فرائد علقتها علیٰ شرح المواقف سید المحققین و افضل المدققین عند قراءة قرة العین لهذا الغریب عبدالله الملقب باللبیب، تذکرة للاحباب و

Marfat.com

تحفة للاصحاب، وعدة ليوم الحساب، وانا الفقير المتمسک بالحبل المتین عبدالحکیم بن الشیخ شمس الدین.

یہ فوائد و نکات جنہیں موتیوں سے تعبیر کرنا چاہیے، وہ (حواشی) ہیں جو میں نے سید المحققین اور افضل المدققین (میر سید شریف جرجانی) کی شرح المواقف پر اس زمانے میں تحریر کیے تھے، جب مجھ غریب کی آنکھوں کی ٹھنڈک (میرا بیٹا) عبداللہ، جس کا لقب لبیب ہے، مجھ سے یہ کتاب پڑھتا تھا۔ میں نے ان حواشی کو اپنے احباب کے لیے ایک یادگار،...... رفقا کے لیے ایک تحفہ اور روز قیامت کے لیے توشہ بنایا ہے۔ اور میں فقیر دین کی مضبوط رسی کو پکڑنے والا عبدالحکیم بن شیخ شمس الدین ہوں۔!

(۷) حاشیہ شرح شمسیہ:

شمسیہ، علم منطق سے متعلق درجۂ اعلیٰ کے درسی نصاب کا متن متین ہے، جس کا پورا نام "الرسالۃ الشمسیہ فی قواعد المنطقیہ" ہے۔ اس کے مصنف نجم الدین کاتبی ہیں، جو محقق طوسی کے شاگرد تھے۔ انہوں نے اپنی یہ تصنیف خواجہ شمس الدین وزیر کے نام معنون کی تھی، اسی وجہ سے یہ "شمسیہ" کے نام معروف ہوئی۔ اہل علم میں اس متن نے بڑی قبولیت حاصل کی اور علما نے اس کی شرحیں سپرد قلم کیں۔ ان شرحوں میں سب سے زیادہ مقبولیت قطب الدین رازی کی شرح کو ہوئی۔ ان کی شرح کا اصل نام "تحریر المنطقیہ فی شرح الرسالۃ الشمسیہ" ہے مگر یہ شرح اپنے مصنف کے نام کی مناسبت سے "قطبی" کے نام سے معروف ہوئی۔

Marfat.com

قطبی، اپنی تصنیف کے جلد ہی بعد داخل نصاب ہوگئی اور متعدد علمائے منطق نے اس پر حواشی تحریر کیے۔ لیکن حلقہ علما وطلبا میں درجۂ قبولیت صرف دو حاشیوں کو حاصل ہوا۔ایک میر سید شریف جرجانی کے حاشیہ کو جو اپنی مصنف کے نام کی وجہ سے ''سعدیہ'' کہلاتا ہے۔

چونکہ مدارس ہند میں شرح شمسیہ کو منطق کی اعلیٰ درجے کی نصابی کتاب سمجھا جاتا تھا۔اس لیے علمائے ہند نے اس کو مرکز توجہ ٹھہرایا اور اس حواشی تحریر کیے، جن میں مولانا عبدالوہاب کشمیری، مولانا وجیہ الدین گجراتی، شیخ ہبۃ اللہ شیرازی اور قاضی نوراللہ شوستری کے حواشی کےقبال ذکر ہیں۔

لیکن ''قطبی'' اور ''میر قطبی'' پر ان علمائے گرامی قدر کے حواشی کے علاوہ ایک حاشیہ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے بھی لکھا، اور یہ حاشیہ اس زمانے میں لکھا جب ان کے بیٹے مولانا عبداللہ لبیب ان سے یہ کتابیں پڑھتے تھے۔اس حاشیے نے فنی اعتبار سے بڑی شہرت حاصل کی اور فاضل محشی نے اپنی دیگر تصانیف کی طرح اس کا انتساب بھی شاہ جہان بادشاہ کے نام کیا۔

اس حاشیے کو علمی قدر وقمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ملا محبّ اللہ بہاری نے ''سلم العلوم'' میں قطبی کے کسی ہندی حاشیہ نویس کا حوالہ نہیں دیا۔صرف اسی حاشیہ کولائق التفات گردانا اوراس سے استفادہ کیا ہے۔سلم العلوم کے شارحین میں سے ملا حمد اللہ نے بالخصوص اپنی شرح میں متعدد مقامات پر ''فاضل لاہوری'' کا نام لکھ کراس کی صراحت کی ہےاوران کے افادات عالیہ کا ذکر کیا ہے۔

مولانا سیالکوٹی نے یہ حاشیہ سپردقلم کرنے کی وضاحت کی ہےاور لکھا ہے کہ قطبی اور میر قطبی کے بعض حواشی اپنی شہرت کے باوجود بعض مقامات پر تشنۂ تحقیق ہیں اور بعض اپنے

Marfat.com

اندر بلا مقصد طوالت لیے ہوئے ہیں۔اس وجہ سے ان فضلا وعلما کے حواشی ان کے نزدیک طلبا کے لیے زیادہ مفید مطلب اور لائق استفادہ نہ تھے۔لہٰذا انہیں یہ حواشی تحریر کرنا پڑے۔

(۸) حاشیہ شرح مطالع الانوار:

مطالع الانوار، قاضی سراج الدین محمد بن ابوبکر ارموی (متوفی ۶۸۹ھ) کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔"حصے" کو مصنف شہیر "طرف" سے تعبیر کرتے ہیں۔طرف اول، منطق کے موضوع سے متعلق ہے،اور طرف ثانی فلسفہ وحکمت کے مسائل کو محیط ہے۔اس کے چار اجزا ہیں:۔ جواہر،اعراض،امور عامہ اور العلم الالٰہی۔!

شرح مطالع، برصغیر کے حلقۂ درس میں متداول ہوئی تو متعدد علمائے ہند نے اس پر حواشی لکھے۔شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے بیٹے شیخ نورالحق دہلوی نے بھی حاشیہ لکھا۔ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے بھی اس پر حاشیہ تحریر کیا،جس کا قلمی نسخہ ہندوستان کی بانکی پور لائبریری میں موجود ہے۔

(۹) حواشی در کنار شرح ہدایۃ الحکمۃ

ہدایۃ الحکمۃ ،اثیر الدین ابہری کی تصنیف ہے،یہ اگرچہ ایک صغیر الحجم رسالہ ہے، لیکن اپنے موضوع میں بڑا اہم ہے اور بہت سے علما نے اس کو شروح وحواشی کا مستحق گردانا ہے۔اس کی ایک شرح،علامہ جلال الدین دوانی کے تلمیذ رشید میر حسین میبذی نے لکھی، جو اس کے شارح کے نام پر "میبذی" کہلائی۔ پھر علما میں یہی میبذی (یعنی شرح ہدایۃ الحکمۃ) مروج ہوگئی۔

(۱۰) الرسالۃ الخاقانیۃ

عبدالحکیم سیالکوٹی کی اہم ترین تصنیف الرسالۃ الخاقانیۃ ہے،جسے الدرۃ

Marfat.com

الثمينة فی علم الواجب تعالی کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے، مولانا عبدالحی الحسنی نے اس کا ذکر اپنی تصنیف الثقافة الاسلامیة فی الهند (ص ۲۳۸) میں علم کلام سے متعلق ان کتابوں کے سلسلے میں کیا ہے جو مستقل تصانیف کا درجہ رکھتی ہیں۔ اس تصنیف کا سبب یہ ہوا کہ ایران کے شاہ صفی کی وفات پر جب اس کا بیٹا شاہ عباس دوم تخت نشین ہوا تو شاہجہان نے مرحوم شاہ کی تعزیت اور شاہ عباس کی تخت نشینی پر ہدیۂ تبریک پیش کرنے کے لیے ایک سفارت ایران بھیجی۔ برصغیر پاکستان و ہند اس زمانے میں علوم عقلیہ کا گہوارہ سمجھا جاتا تھا۔ ایران کے وزیر اعظم (خلیفہ سلطان) اعتماد الدولہ نے شاہجہانی سفارت کے ارکان سے ایک علمی محفل میں سوال کیا کہ امام غزالی نے قدم عالم، علم باری تعالیٰ اور نفی حشر اجساد کے سلسلے میں فلاسفہ کی تکفیر کی ہے، لیکن بعض علما نے ان مسائل کے بارے میں تاویل سے کام لیا ہے، برصغیر پاکستان و ہند کے علما کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟......

ارکان سفارت محمد فاروق (مشرف) اور محب علی (وقائع نویس) ان فاضلانہ سوالات کا جواب نہ دے سکے۔ جب شاہجہان کو اس واقعے کی خبر پہنچی تو اس کے وزیر اعظم ملا سعد اللہ خان نے فی الفور ملا عبدالحکیم کو مسائل ثلاثہ مذکورہ کے سلسلے میں ایک مختصر مگر جامع رسالہ لکھ کر دربار دہلی کو روانہ کرنے کی فرمائش کی تاکہ اسے ایران بھیجا جا سکے۔ (ملا سعد اللہ خان کے اس خط کے لیے دیکھیے۔ فہرست مخطوطات نادرہ، آصفیہ کتب خانہ، حیدر آباد دکن، ۱۳۵۷ھ، ۲: ۳۱۹)۔ اگرچہ ملا عبدالحکیم نے الرسالة الخاقانیة کے آخری چند صفحات میں حدوث و قدم عالم اور حشر و نشر جسمانی کے بارے میں فاضلانہ بحث کی ہے، لیکن بحث کا رخ زیادہ تر مسئلہ علم باری تعالیٰ کی طرف رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کو الخاقانیة فی مبحث العلم، رسالہ عبدالحکیم السیالکوٹی فی علم الواجب تعالی، وغیرہ ناموں سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

علم باری تعالیٰ (اور دیگر صفات حسنہ) کا مسئلہ یونانی فکر سے متاثر مسلمان فلاسفہ اور علمائے اسلام کے درمیان قدیم سے زیر بحث چلا آیا ہے۔ اس بحث کو سب سے پہلے امام غزالی نے وضاحت کے ساتھ موضوع سخن بنایا۔ ان کے بعد مختلف علماء اسے آگے بڑھاتے رہے حتیٰ کہ ملا عبدالحکیم نے الرسالة الخاقانية تصنیف کیا۔ ان کے بعد آنے والے اہل فضل و کمال نے بھی اس موضوع پر قلم اٹھایا، لیکن یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ سب کے سب کسی نہ کسی طرح ملا عبدالحکیم کے رسالے سے متاثر ہوئے۔ مثلاً منطق کے موضوع پر مشہور ہندوستانی تصنیف سلم العلوم (مصنفہ ملا محب اللہ بہاری، ۱۱۱۹ھ) اور اس کی مشہور و معروف شروح میں الرسالة الخاقانية ہی کے مواد کو مخصوص انداز میں دہرایا گیا ہے۔ قاضی مبارک (م ۱۱۶۲ھ)، ملا حسن (م ۱۱۹۹ھ) اور قریبی زمانے میں مولانا بحرالعلوم (م ۱۲۳۵ھ) مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی (م ۱۲۸۵ھ) وغیرہ ھم نے بھی اس مسئلے پر بحث کی ہے، لیکن یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ ملا عبدالحکیم کا الرسالة الخاقانية ان سب حضرات کے لیے مشعل راہ ثابت ہوا اور سبھی اس چشمہ فیض سے سیراب ہوتے رہے۔

☆☆☆

Marfat.com

مشاہیر سیالکوٹ

سیالکوٹ نہایت قدیم شہر ہے۔ اور ہندو عہد حکومت میں ہندو راجگان قدیم کی راجدھانی رہا ہے۔ دارالخلافہ ہونے کی وجہ سے یقیناً نامور ہندو اس سرزمین نے پیدا کئے ہوں گے۔ کسی نے دولت و امارت میں شہرت حاصل کی ہو گی۔ کوئی علم سنسکرت کا کامل گذرا ہو گا۔ کسی نے سنسکرت و ہندی کے اشعار میں اپنے جوہر دکھائے ہوں گے کوئی تیر و تلوار کا دھنی میدان جنگ میں اپنی نبرد آزمائی سے ارجن بھیم کا نام زندہ کرتا ہو گا۔ موسیقی اور مصوری کے قدیم علوم ہندو تہذیب کا مایہ ناز رہے ہیں۔ اس میدان میں بھی بڑے بڑے کامل الفن گذرے ہوں گے۔ دان پن (خیرات) بھی ہندو قوم کی گھٹی میں داخل ہے۔ کئی سخی مرد پیدا ہوئے ہوں گے غرض جس شہر میں صدہا سال تک بادشاہ اور رعایا کا ایک مذہب رہا ہو۔ جس شہر نے صدیوں تک دارالحکومت ہونے کا اعزاز حاصل کیا ہو۔ کچھ تعجب نہیں اگر شاہانہ سرپرستیوں کے طفیل بڑے بڑے کامل۔ عالم اور نامور لوگ وہاں پیدا ہو چکے ہوں۔ لیکن سیالکوٹ کی قدیم تاریخ چونکہ کہیں بھی نہیں ملتی۔ اسلئے ایسے یگانہ روزگار لوگ جن کے واقعات زندگی موجودہ نسلوں کے لئے یقیناً رہبری کا کام دیتے۔ صفحہ تاریخ سے بالکل ناپید ہیں۔ غرض ہندو عہد قدیم میں بھی اس خاک سے بڑے بڑے ودیادان اٹھے ہیں۔ چنانچہ البیرونیؔ جس نے محمود غزنوی کے زمانہ میں ہندوستان کی سیاحت کی ہے اپنے کتاب الہند میں جن شہروں کا ذکر کرتا ہے ان میں ایک سیالکوٹ بھی ہے۔ سیالکوٹ کو دیکھنے کی اسے بیحد تمنا تھی۔ لیکن وہ عدیم الفرصتی یا اور وجوہات سے سیالکوٹ نہ آ سکا۔

ہندو عہد حکومت کے خاتمہ کے بعد مسلمانوں کا دور آتا ہے۔ اور ۴۱۲ھ میں سلطان محمود غزنوی پنجاب کو اپنی سلطنت کا ایک صوبہ قرار دیتا اور یہاں اسلامی حکومت

Marfat.com

کا سنگ بنیاد رکھتا ہے۔ خاندان غزنوی سے لیکر خاندان لودھی اور بابر کے ابتدائی زمانہ تک سیالکوٹ کا ذکر تاریخ ہند کے اوراق میں کہیں کہیں نظر سے گذرتا ہے مگر اس زمانہ کے کسی مشہور آدمی کا نام تاریخ نہیں بتاتی، البتہ شیر شاہ سوری کے زمانہ سے بعض مشاہیر کا تذکرہ شروع ہوتا ہے۔ اور ان میں بھی صرف مسلمانوں کے نام ہم کو دکھائی دیتے ہیں۔ شائد اس کی وجہ یہ ہو کہ ان تاریخوں۔ تذکروں اور مذہبی کتابوں کے لکھنے والے عام طور پر مسلمان تھے۔

شیعہ بادشاہان کشمیر کے زمانہ میں اکثر علمائے سنت ترک وطن کر کے پنجاب آئے ہیں اور ان میں سے اکثر نے سیالکوٹ کو اپنا وطن و مسکن قرار دیا ہے۔ اس زمانہ میں ہندوستان میں اکبر کی حکومت تھی۔ اسی وجہ سے مشاہیر سیالکوٹ میں چند ایک نام اہل خطۂ بزرگان دین کے بھی دکھائی دیتے ہیں۔

بہر حال جس قدر مشاہیر کے نام سوری خاندان سے لیکر مغلیہ حکومت کے زوال واختتام تک کے مل سکے ہیں مختصر سی کیفیت کے ساتھ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

میاں وارث کاشمیری

شیر شاہ سوری سے لیکر سکندر سوری کے زمانہ تک سیالکوٹ کے مالگذار اور تعلقدار رہے۔ اکبر کے ابتدائی عہد اور اپنی زندگی کے آخری لمحوں تک یہ اعزاز برابر قائم رہا۔ مولوی کمال الدین کاشمیری اُستاد مولوی عبدالحکیم نے اسی میاں وارث کی مسجد میں امامت و درسگاہ شروع کی تھی۔

حضرت شاہ حمزہ غوث

جن کا مزار پر انوار نالہ ایک سے پار بابا کی بیر کے متصل ہے۔ عہد اکبری کے مشہور متوکل درویشوں میں تھے۔ اکبر نے سیالکوٹ آکر آپ سے ملاقات کی۔ اور خدام

Marfat.com

درگاہ کے لئے جاگیر مقرر کر دی۔ تاریخ وفات

محمد غوث حمزہ قطب عالم　　　چو در وصل خدا گردید موصول
بتاریخ وصالش گفت قاصر　　　محمد متقی سلطان مقبول

جہاں آپ کا روضہ ہے وہاں اب اتنی رونق و آبادی ہے کہ ''حمزہ غوث'' کے نام سے ایک موضوع آباد ہے۔

بابا فتح اللہ حقانیؒ

حضرت بابا اسمعیل کاشمیری کے فرزند ارجمند تھے۔ جو صاحب ریاضت وکرامت تھے۔ اور جن کی بندگی وعظمت اس سے ظاہر ہے کہ قدوۃ العرفا حضرت مخدوم محبوب العالم شیخ حمزہ صاحب کاشمیریؒ نے بھی آپ سے فیض حاصل کیا ہے۔ کشمیر میں چک بادشاہوں کا دور دورہ تھا جو مذہباً شیعہ تھے۔ ان کے بل بوتے پر شیعہ لوگ ''اصحاب ثلاثہ'' پر علانیہ تبرا کرتے تھے اور اہل سنت دم نہ مار سکتے تھے۔ بابا فتح اللہ بھی یہ حال دیکھتے تھے اور خاموش تھے۔ آپ نے اس خیال سے کہ اہل تشیع اصحاب ثلاثہ کو جو گالیاں دیتے ہیں وہ ان کی بجائے میرے بیٹوں کے نام موسوم ہوں اپنے تینوں بیٹوں کے نام ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ رکھ دیئے۔ جب تبرا کے علاوہ اہل سنت مسلمانوں پر جبر وستم بھی ہونے لگا۔ اور ان کی عزت وآبرو بھی خطرہ میں پڑ گئی۔ تو آپ معہ اہل وعیال کشمیر جیسے جنت نظیر وطن کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ کر سیالکوٹ چلے آئے۔ جب سیالکوٹ والوں کو آپ کے علم وتقویٰ کا حال معلوم ہوا تو تمام ارباب فضل وکمال ان کی طرف جھک پڑے مولانا کمال اور مولانا جمال آپ کے داماد اور مرید وشاگرد تھے۔ تاریخ خواجہ اعظمی میں لکھا ہے کہ حضرت بابا فتح اللہ شاہ نے وفات بھی سیالکوٹ ہی میں پائی ہے۔

Marfat.com

باباعمر حقانی کاشمیری

شیخ العصر بابا فتح اللہ شاہ حقانی کے بیٹے تھے۔ آپ ہی کے پاس مشائخ کشمیر کی جماعت خواجہ اسحاق۔ بابا داؤد خاکی۔ شیخ یعقوب صرفی۔ ملا کمال وغیرہ ۲۸ علما و مشائخ اور رؤسائے کشمیر بانہال کے رستے سیالکوٹ آئے تھے۔ باباعمر پر اکبر کی بیحد عنائتیں تھیں۔ آپ ہی کی وساطت سے علماء و صلحائے کشمیر کی جماعت اکبر کے دربار میں پہنچی۔ اور اسی جماعت کی استدعا پر اکبر نے کشمیر کو خانہ جنگیوں سے نجات دلا کر ممالک محروسہ میں شامل کیا۔ تسخیر کشمیر ۱۵۵۶ء، ۹۹۴ھ کے بعد اکبر نے حضرت باباعمر کو ۱۹۰۰ بیگھ زمین (روضۃ الابرار (فارسی) صفحہ نمبر ۵۱) موضع رسول پور پرگنہ بنت حوالے دہلی میں بطور جاگیر عنایت کی۔ دو موضع سیالکوٹ سے دیئے سرکار پنجاب کے ماتحت تھا۔ اور چند قریہ خادمان باباعمر کے لئے کشمیر میں وقف کیے۔ باباعمر وفات کے بعد اپنے نامور باپ کے پہلو میں دفن ہوئے۔

آخوند مولانا جمال

علوم دینیہ میں ماہر کامل تھے۔ اصل وطن کشمیر تھا۔ ارادت معنویہ کے لیے بابا فتح اللہ کاشمیری کے پاس سیالکوٹ آئے۔ مولانا کمال جو مولوی عبدالحکیم اور حضرت مجدد الف ثانی کے اُستاد تھے۔ آپ کے چھوٹے بھائی تھے۔ مولانا جمال کے خوان علم سے صدہا لوگ سیر ہوئے۔ گوشت بہت کم کھاتے تھے۔ ہمیشہ بوریائے فرش پر سوتے رہے۔ حضرت بابا فتح اللہؒ نے اپنی ایک بیٹی کا آپ سے نکاح کر دیا تھا۔ آخر عمر میں آپ کشمیر واپس آ گئے۔ حضرت بابا نصیب اور شیخ اسماعیل چشتی اور دیگر اکابر و مشائخ وقت آپ کی بابرکت صحبتوں سے مسفیض ہوتے رہے۔ قاضی ابوالقاسم عرف ملا جمالی جو کشمیر کی قضاء پر مامور تھے آپ کے نامور فرزند تھے۔

Marfat.com

آخوند ملا کمال

مولانا جمال کے چھوٹے بھائی اور مولوی عبدالحکیم۔ حضرت مجدد الف ثانی۔ اور نواب سعد اللہ خاں وزیر شاہجہان جیسے نامور شاگردوں کے استاد تھے شیخ کامل۔ حلال فائق۔ کشاف حقائق۔ جامع علوم عقلیہ ونقلیہ تھے۔ مجموعہ علم وعمل وزہد وتقویٰ تھے۔ مگر نسبت علمی بہت غالب تھے۔ سیالکوٹ اور لاہور میں مدت تک مسند تدریس وتلقین پر متمکن رہ کر دور ونزدیک کے لوگوں کو علوم ظاہری وباطنی سے مستفیض کرتے رہے۔ اکبر اور جہانگیر کے دربار میں آپ کی بڑی وقعت تھی۔ ۱۰۱۷ھ میں لاہور میں وفات پائی۔ آپ حضرت شیخ یعقوب صوفی اور بابا داؤد خاکی وغیرہ مشائخ کشمیر کے ساتھ شیعہ بادشاہان کشمیر کے ظلم سے تنگ آکر پنجاب میں آئے تھے۔

مولانا محمد رضا

(روضۃ الابرار میں آپ کا نام محمد صادق عرف حکیم دانا لکھا ہے۔ یہ کتاب ۱۳۰۲ھ کی تصنیف ہے۔ اسرار الابرار میں جو بابا داؤد مشکواتی کی تصنیف ہے اور ۱۰۶۳ھ میں لکھی گئی ہے آپ کا نام محمد رضا عرف حکیم دانا اور مولانا کمال کا نام بورضا محمد کمال درج ہے۔ کشمیر کی دیگر تاریخوں میں بھی محمد رضا نام ہی درج ہے۔ اور وہی صحیح ہے۔)

معروف بہ حکیم دانا۔ ابن مولانا کمال کاشمیری۔ جامع علوم عقلیہ ونقلیہ تھے۔ برسوں تک سیالکوٹ میں علمی مشاغل کی رونق رکھی۔ جہانگیر نے آپ کی شہرت وقابلیت سن کر آپ کو اپنی مجلس میں باریاب کیا۔ آخر عمر میں وطن کی محبت غالب آئی۔ اور سب کچھ ترک کر کے کشمیر چلے آئے۔ کشمیر میں جب اہل تسنن وتشیع کا ایک زبردست مباحثہ ومعارضہ جہانگیر کے عہد میں ہوا۔ تو اہل تسنن کی طرف سے آپ ہی مناظر تھے یہاں تک کہ ملا حبیب اللہ شیعہ کو آپ نے ساکت کردیا۔ سری نگر کے محلہ جمالٹہ میں رہتے تھے۔ وہیں انتقال کیا۔

Marfat.com

حاجی فتح محمد

سیالکوٹ کا محلہ حاجی پورہ انہی کے نام پر آباد ہے۔ یہ بزرگ جہانگیر کے زمانہ میں وظیفہ خوار شاہی تھے۔ ہندو مسلمان بلاتمیز مذہب وملت ان کے سخاوت سے مستفیض ہوتے تھے۔ محلہ حاجی پورہ کی عالیشان مسجد انہی کی تعمیر کردہ ہے۔ روضۃ (روضۃ الابرار مصنفہ مولوی محمد الدین فوقی مرحوم۔ مولوی فاضل۔ ایم او ایل لاہور۔ مطبوعہ ۱۳۰۲ھ۔) الابرار میں اخوند ملا نازک کاشمیری کے ذکر میں لکھا ہے کہ اخوند مذکور حاجی فتح محمد سیالکوٹی کے مرید تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے آپ صاحب ارشاد بھی تھے۔ آپ کو روضۃ الابرار میں صاحب کمالات و کرامات لکھا ہے۔

حاجی لال بیگ

عہد جہانگیری کے وظیفہ خوار اور معافی دار تھے۔ دستر خوان بہت وسیع تھا۔ موضع غازی پور جہاں آپ کا مزار ہے آپ ہی کا آباد کردہ ہے۔ جو سیالکوٹ سے بجانب گوشہ شمال مشرق بفاصلہ ایک میل واقع ہے۔

حاجی عبدالغنی

بعض آپ کو حاجی عبدالنبی بھی کہتے ہیں۔ جہانگیری عہد کے پرہیزگار اور خدا پرست تھے۔ بادشاہ کی طرف سے جو وظیفہ ملتا تھا۔ سب غریبوں اور مسکینوں کی تواضع میں صرف کر دیتے تھے مزار حضرت شاہ حمزہ غوث سے ذرا آگے آپ کا مزار ہے۔

حاجی مقصود

یہ بزرگوار بھی شاہی وظیفہ خوار تھے۔ نہایت نیکوکار اور دین پرور مزار آپ کا غلہ (کنک) منڈی کے متصل واقعہ ہے۔ ۱۳۰۴ھ کے قریب مستری فضلدین نے بہ لاگت کثیر آپ کا مزار مرمت کرا دیا تھا۔

Marfat.com

شیخ رنگا وڈ ہرہ

سیالکوٹ کا ایک بہت بڑا امیر آدمی تھا۔ اس نے ایک عالیشان باغ اور تالاب بنوایا۔ اور دونوں جگہ خوبصورت بارہ دریاں تعمیر کرائیں۔ جو بارہ دری تالاب کے وسط میں تھی وہاں موسم گرما میں بذریعہ کشتی سیر و آرام کرتا تھا۔ کہتے ہیں کہ باغ کی کل زمین پچیس گھماؤں تھی۔ اس باغ کا نام معہ اس کی عالیشان عمارتوں کے رنگ محل تھا۔ اسی رنگ محل کو اب رنگپورہ کہتے ہیں۔

شاہ سیدا

سیالکوٹ میں بزمانہ جہانگیر بڑے پایہ کے بزرگ گذرے ہیں۔ حضرت شاہ دولہ گجراتی جن کی عمر کا بہت بڑا حصہ سیالکوٹ میں گذرا ہے۔ انہی کے مرید تھے۔ مزاران کا بازار کنک منڈی کے متصل واقع ہے۔

حضرت شاہ دولہ گجراتی

جہانگیر کے آخر عہد حکومت میں گماں وڈہرہ سیالکوٹ کے ہاں نوکر تھے۔ شاہ جہان کے زمانہ میں حضرت شاہ سیدا صاحب کی فیض صحبت سے پہلے ملازمت ترک کر دی۔ پھر علائق دنیوی سے منہ موڑ لیا۔ سیالکوٹ کی نواح میں آپنے بہت سے پل تعمیر کرائے ہیں۔ سیالکوٹ کی مشہور و مصفا ایک ندی کا پل جو نہایت مضبوط اور چونہ گچ بنا ہوا ہے۔ آپ ہی کا تعمیر کردہ ہے۔ مزار آپ کا گجرات میں مرجع خلائق ہے۔ روضہ قیومیہ میں لکھا ہے صاحب جذبہ تھے۔ باطنی فیض آپ سے کسی کو نہیں پہنچ سکا۔ تذکرہ اکابر اسلام (ایک چھوٹی سی کتاب ہے۔ جس میں علماء و مشائخ اسلام اور اساتذہ اسلام کا ذکر ہے۔ مصنفہ منشی دیبی پرشاد مصنف و مؤرخ راجپوتانہ۔ مطبوعہ پیسہ اخبار ۱۹۰۴ء۔) میں آپ کے متعلق لکھا ہے۔ بہت سے آدمی اس کے باورچی خانہ

Marfat.com

سے کھانا کھاتے تھے۔اس نے بہت سے وحشی جانور اور چرند پرند جمع کر رکھے تھے۔ ہاتھی۔ شیر۔اونٹ۔بکری بھیڑ وغیرہ۔ان سب کو اس کے یہاں سے خوراک ملتی تھی۔

قاضی محمد عارف

جو مولانا غنی کاشمیری کا ہمعصر اور عہد شاہجہانی کے نامور شعراء میں تھا۔تاریخوں میں سیالکوٹی ہی کے نام سے مشہور ہے۔مولانا جمال کے بیٹے قاضی ابوالقاسم کا فرزند تھا۔ ایک رباعی آپ کی یادگار ہے جو درج ذیل ہے:

خواہم کہ ازیں نشیب وپستی برہم   وزننگ خودی و خود پرستی برہم
یک جرعہ از جام نیستی نوش کنم   از کشمکش خمار ہستی برہم

ملا عیسیٰ

سکینۃ الاولیاء میں داراشکوہ نے ان کے متعلق لکھا ہے۔زہدوتقویٰ کے سرمایہ اور عالم ملکوتی کے سیاح تھے۔حضرت میاں میرؒ کی خدمت میں آکر کامل اکمل ہو گئے۔علوم باطنی کے علاوہ علوم ظاہری میں بھی صاحب کمال تھے۔کبھی سیالکوٹ میں رہتے کہ وہ ان کا وطن تھا۔اور کبھی لاہور میں کہ وہاں ان کے پیرومرشد حضرت میاں جی (حضرت میاں میرؒ) رہتے تھے۔داراشکوہ لکھتا ہے۔ملا عیسیٰ کی میرے ساتھ خط وکتابت بھی رہی ہے۔ان کو تمام چرند و پرند کا ذکر و شغل سنائی دیتا تھا۔ملا عیسیٰ ایسے ہی اعلیٰ پایہ کے بزرگ تھے۔جن کے ساتھ خط وکتابت کرنے کا ذکر شہزادہ داراشکوہ نے خاص طور پر ایک قسم کے فخر کے ساتھ کیا ہے۔

ملا محمد سیالکوٹی

حضرت میاں میرؒ کے مریدوں میں تھے۔اور اپنے علم وفضل اور زہد و ورع کی وجہ سے حضرت کی نظروں میں پایہ بلند رکھتے تھے۔سکینۃ الاولیاء میں شہزادہ داراشکوہ لکھتے

Marfat.com

ہیں۔ سیالکوٹ ان کا وطن تھا۔ بیس سال تک خلوت وجلوت میں حضرت میاں میرؒ کے رفیق رہے۔ ملا محمد صاحب کے حوالہ سے سکینۃ الاولیاء میں ایک روایت بھی نقل ہے۔ اور وہ اس طرح ہے کہ ملا محمد اور میاں نتھا لاہوری اور دو ایک اور آدمی حجرے کے باہر دیوار کے سایہ میں حضرت کی خدمت میں حاضر اور سلوک ومعرفت کی باتوں میں مشغول تھے۔ اتنے میں بادل گھر آیا۔ سرد ہوا خراٹے بھرنے لگی اور مینہ برسنے لگا۔ جس سے اس دلجمعی میں تفرقہ سا آ گیا۔ میاں نتھا نے جس پر یہاں تک فضل الٰہی تھا کہ درخت تک بھی باوجود اس کے امی محض ہونے کے اس سے ہمکلام ہوتے تھے۔ عرض کیا۔ اگر آپ اجازت دیں تو مینہ اور ہوا ابھی دور ہو کر مطلع صاف ہوسکتا ہے۔ حضرت میاں میر صاحب کو میاں نتھا کے یہ جلالی کلمات ناگوار گذرے ناراض ہو کر فرمایا۔ او تیلی کے بچے! اب تیری یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ اپنی کراماتیں ظاہر کرتا اور خود فروشی کا متمنی ہے پھر بڑی نرمی اور مہربانی سے فرمایا۔ محمود کا فعل بھی محمود ہی ہوتا ہے۔ خبردار آئیندہ اس قسم کے کلمات زبان سے نہ نکالنا اور کارخانہ الٰہی میں دخل دینے کی جرأت نہ کرنا۔ شہزادہ نے سکینۃ الاولیاء ۱۰۵۷ھ میں لکھی ہے۔ وہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں۔ میاں محمد سیالکوٹی اب تک زندہ ہیں۔ میاں محمد کا انتقال اسی سنہ کے بعد کسی سال میں ہوا ہے۔

اخون میر محسن سیالکوٹی

روضہ قیوسیہ میں آپ کے متعلق چند الفاظ نظر سے گذرے ہیں۔ وہی لکھتا ہوں۔ ''آپ حضرت قیوم ثانیؒ (امام محمد معصوم زمانی خلف حضرت مجدد صاحب قیوم اول) کے معتبر خلفاء سے ہیں۔ صاحب استقامت وکرامت تھے۔ علماء وصلحاء میں آپ کا پایہ بہت بلند تھا۔ سلوک باطنی آپ نے انتہائی درجہ تک حاصل کر کے خلافت پائی۔ بہت سے لوگوں نے آپ سے (روحانی وعلمی) فائدہ اٹھایا۔ اور خلافت کا درجہ حاصل کیا۔ آپ طریقہ علیہ احمدیہ پر نہایت شدت سے پابند تھے۔

Marfat.com

حافظ نور محمد سیالکوٹی

آپ نے طویل عمر پائی ہے۔ درسی و رسمی علوم سے فارغ ہو کر سلوک و تصوف کی طرف خیال آیا۔ تو اپنے شہر کے نامور عالم و صوفی اخون میر محسن کے پاس پہنچے۔ وہاں دوا بھی تھی اور دعا بھی۔ یعنی علوم ظاہری و باطنی دونوں کا درس جاری تھا۔ حافظ صاحب اس مجلس سے کندن ہو کر نکلے۔ اور خلیفہ میر محسن کے مریدوں میں بھی داخل ہو گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد اپنے مرشد کے پیر حضرت عروۃ الوثقیٰ قیوم ثانی (حضرت عروۃ الوثقیٰ امام معصوم قیوم ثانی فرزند سوم حضرت مجدد الف ثانی قیوم اول۔ ولادت حضرت قیوم ثانی ۱۰ شوال ۱۰۰۷ھ۔ وفات ۹ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ۔) کی خدمت میں سرہند میں پہنچے۔ وہاں نامی علماء وصلحاء جمع رہتے تھے۔ ان کی صحبتوں اور برکتوں اور حضرت قیوم ثانی کی توجہات سے ظاہری و باطنی علوم میں کمال فروغ حاصل کر لیا۔ پھر ۱۰۷۹ھ کے بعد بزمانہ عالمگیر جب حضرت حجۃ اللہ قیوم ثالث (حضرت حجۃ اللہ خواجہ محمد نقشبند ثانی قیوم ثالث۔ ولادت ۷ رمضان ۱۰۳۴ھ وفات ۲۹ محرم ۱۱۱۴ھ۔) ہوئے تو ان کی خدمت میں بھی پہنچے۔ روضہ قیومیہ میں لکھا ہے کہ حافظ نور محمد صاحب حال و صاحب کرامات تھے۔ ان کے ارشادات و ہدایات نے بہت لوگوں کو انسان اور انسان سے مسلمان بنا دیا۔ حضرت قیوم ثالث کی وفات ۱۱۱۴ھ کے بعد آپ نے حضرت خواجہ محمد زبیر قیوم چہارم (سلطان الاولیاء خواجہ محمد زبیر قیوم رابع۔ ولادت ۵ ذیقعد ۱۰۹۳ھ وفات ۴ ذیقعد ۱۱۵۲ھ۔) کی طرف رجوع کیا۔ اس وقت آپ بوجہ کبر سنی و ضعف خود سفر کے ناقابل تھے۔ آپ نے اپنے چند مخلص و مرید آپ کی خدمت میں بھیجے۔ اور ایک عرضداشت بھیجی کہ یہ بے پر و بال اس عالی خاندان کا تربیت یافتہ ہے۔ بہ سبب ضعف باطنی حاضر خدمت نہیں ہو سکا۔ دعا اور توجہ کیجئے کہ حق تعالیٰ اسے باطنی استقلال فرمائے جب حضرت قیوم چہارم کا جواب آپ کو ملا۔ تو آپ نے شکر گذاری کے بعد اپنے یاروں سے

Marfat.com

فرمایا۔ حضرت نے اس کمزور بوڑھے کو از سر نو جوان کر دیا ہے۔ روضہ قیومیہ میں لکھا ہے کہ آپ اپنے زمانہ کے مشائخ عظام میں تھے۔ شیخ محمد سعید اور صوفی عبدالرحیم یہ دو نامور صوفی و عالم آپ کے پوتوں میں بہت مشہور گذرے ہیں۔ دونوں حضرت خواجہ محمد زبیر قیوم رابع کے مریدوں میں تھے اور سرہند میں رہکر ظاہری و باطنی علوم میں کامل ہوئے تھے۔

شیخ محمد سیالکوٹی

حافظ نور محمد کے مریدوں میں تھے۔ جب حافظ صاحب حضرت حجۃ اللہ قیوم ثالث کے مرید ہو گئے تو شیخ محمد بھی حضرت قیوم ثالث کے مریدوں میں داخل ہو گئے۔ اور سلوک باطنی و علوم ظاہری میں کمال حاصل کرنے کی بدولت نہ صرف حضرت حجۃ اللہ کے معتبر یاروں میں شمار ہونے لگے بلکہ آپ کو خلافت کا اعزاز بھی مل گیا۔

خلعت خلافت لے کر جب آپ سیالکوٹ واپس آئے تو آپ کی مجلس میں اہل طلب و علم اس کثرت سے آنے لگے۔ اور ارادتمندوں کی تعداد اس درجہ بڑھ گئی کہ آپ حافظ صاحب سے منحرف ہو کر ان کو اپنا مد مقابل سمجھنے لگے۔ حافظ نور محمد بھی صاحب کمال تھے۔ صدہا لوگوں نے آپ سے باطنی فوائد حاصل کئے۔ بلکہ اکثروں کو خلافت بھی عطا کی۔ حافظ صاحب کو آپ کی بعض باتیں ناگوار گذریں۔ اس زمانہ میں حضرت قیوم ثالث حج کو گئے ہوئے تھے۔ ان کی واپسی کی خبر سن کر شیخ محمد دکن جا کر ان سے ملے۔ اور اپنی اور حافظ صاحب کی بدمزگیوں کا ذکر کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ جب تک حافظ صاحب کو راضی نہ کرو گے تمہارا باطن صاف نہ ہوگا۔ جب آپ واپس سیالکوٹ آئے تو آپ نے حافظ نور محمد صاحب سے معافی مانگی۔ مگر حقیقی رنجش مرتے دم تک قائم رہی۔

شیخ محمد اپنے زمانہ کے نامور عالم و صوفی تھے۔ فقہ۔ حدیث۔ تصوف و سلوک سب میں صاحب کمال تھے۔ عہد عالمگیری کے نامور علماء میں آپ کو شہرت خاص تھی۔

Marfat.com

مولوی شیخ اصغر علی

حافظ نور محمد کے مرید تھے۔ انہی کے ایما ر سے حضرت خواجہ محمد زبیر کی خدمت میں بمقام سرہند حاضر ہوئے چونکہ مولوی صاحب۔ علم۔ حلم اور ورع و تقویٰ سے موصوف تھے۔ حضرت نے آپ پر بڑی نوازشیں فرمائیں۔ اور جب ان میں ظاہری و باطنی خوبیاں دیکھ لیں تو خلعت خلافت سے مشرف فرمایا۔ ان کے عہد کے ایک بزرگ خواجہ ابوالفیض کمال الدین محمد احسان مصنف روضۂ قیومیہ جن کا سلسلہ نسبت پانچ واسطوں سے حضرت مجدد الف ثانیؒ تک پہنچتا ہے۔ مولوی صاحب کے متعلق یہ چشمدید واقعہ لکھتے ہیں۔ ایک دفعہ آپ سے ایسا فعل سرزد ہوا جواز روئے شرع مکروہ تھا۔ مولوی صاحب اپنی اس حرکت سے بہت گھبرائے اور ایسے نادم ہوئے کہ کانپنے لگے۔ آخر اپنا چہرہ سیاہ کر کے شہر میں ڈھنڈورہ پٹوایا اور تائب ہوئے۔ حضرت خواجہ محمد زبیر نے مولوی صاحب کے متعلق فرمایا۔ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص مردہ کو زمین پر چلتے پھرتے دیکھنا چاہے وہ حضرت ابوبکر صدیق کو دیکھ لے۔ سو میرے یاروں میں مولوی اصغر علی موجود زمانہ میں زندہ مثال ہیں۔ مولوی صاحب ظاہری و باطنی علوم کے جید عالم تھے۔ کثیر التعداد لوگوں نے دونوں علوم میں آپ سے کثیر المنفعت فوائد حاصل کئے ہیں۔

صاحب روضۃ القیومیہ کی تحریر کے مطابق آپ محمد شاہ بادشاہ کے عہد (۱۱۶۱ھ) تک زندہ تھے۔

صوفی شیخ احمد کاتب

حضرت خواجہ محمد زبیر کے مریدان خاص میں تھے۔ سلوک باطنی حاصل کر کے خلافت حاصل کی۔ شریعت کے کاموں میں سختی سے پابند تھے۔ فن کتابت میں ماہر ہونے کی وجہ سے کاتب کے نام سے مشہور تھے۔ کثرت علم کے ساتھ حسن عمل بھی رکھتے تھے۔

Marfat.com

صوفی محمد اعظم

حافظ نور محمد صاحب کے معتبر یاروں میں تھے۔ بلکہ ان سے خلافت بھی حاصل کی تھی۔ بعد میں حضرت خواجہ محمد زبیر کی خدمت میں بمقام سرہند حاضر ہو کر مورد عنایات رہے۔ آپ اپنے زمانہ کے نہایت نامور عالم تھے۔

مولوی عبدالکریم

آپ دو واسطہ سے مولوی عبدالحکیم سیالکوٹی کے شاگرد ہیں۔ آپ حضرت خواجہ محمد زبیرؒ کے معاصر میں تھے۔ حضرت کی وفات (۱۰۵۲ھ) کے بعد بھی آپ کی زندگی کا پتہ ملتا ہے۔ روضۂ قیومیہ کی تصنیف کا شروع سال ۱۰۵۰ھ کے قریب ہے۔ چند سال کے التواء کے بعد یہ کتاب ۱۰۵۴ھ میں پھر شروع ہوتی ہے۔ کتاب اسقدر ضخیم ہے کہ یقیناً اس کی ترتیب و تکمیل میں چند سال صرف ہوئے ہوں گے۔ اور کتاب کے آخری صفحہ پر مولوی عبدالکریم کا ذکر ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب عہد محمد شاہی (۱۱۶۱ھ) تک زندہ تھے۔

شیخ محمد صدیق

نام ایک بزرگ بھی حضرت خواجہ محمد زبیر کے مرید اور خلیفہ تھے۔ آپ کا نام روضہ قیومیہ میں حضرت خواجہ محمد زبیر کے مریدان خاص میں درج ہے۔

لالہ سیالکوٹی مل

عالمگیری یا محمد شاہی عہد میں اس نام کے ایک ہندو بزرگ سیالکوٹ میں گذرے ہیں۔ سنہ پیدائش وفات کا کوئی حال معلوم نہیں ہے۔ ان کی ایک تصنیف انشائے سیالکوٹی زمانہ قدیم میں دوسرے نامور انشا پردازوں کی طرز تحریر کی لاجواب ٹکر تھی۔ ان کا نام بھی ان کے سیالکوٹی ہونے کی دلیل ہے۔

Marfat.com

شیخ محمد مراد

راقم الحروف ۱۹۱۷ء میں ڈھاکہ (بنگال) میں تھا۔ جہاں مشرقی بنگال کے نامور علم دوست حکیم حبیب الرحمٰن صاحب مشیر طبی نواب صاحب ڈھاکہ کے کتب خانہ میں ایک قلمی کتاب دیکھی۔ جس کے مصنف کا نام محمد مراد سیالکوٹی تھا۔ یہ کتاب عہد شاہجہانی یا عالمگیری کی تصنیف تھی۔ اس میں آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے لطائف کا ذکر تھا۔ علاوہ ازیں حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ اور ازواج مطہرات کے باہمی مزاح کا بھی ذکر دیکھا گیا کتاب کے نفس مضمون۔ سنہ تالیف اور مصنف کے حالات کے لیے ڈھاکہ میں خط لکھا گیا۔ مگر کوئی اطمینان بخش جواب نہ مل سکا۔

شیخ محمد اخلاص خاں وامق

ڈوہرہ قوم کے کھتری تھے۔ مولوی عبدالحکیم کے صاحبزادہ مولوی عبداللہ کے دست حق پرست پر اسلام قبول کیا۔ اور نام محمد اخلاص (معلوم ہوتا ہے نام شیخ محمد یا محمد ہوگا۔ اخلاص خاں اس زمانہ کا ایک اعلیٰ سرکاری خطاب تھا۔ صاحب تذکرہ صبح گلشن نے غلطی سے اخلاص خاں کو اصل نام قرار دیا ہے۔) خاں رکھا گیا۔ یاوریئے طالع نے رفتہ رفتہ اورنگ زیب کے دربار تک پہنچادیا۔ اور اپنی قابلیت وعلمیت کی وجہ سے سربلند ہو کر امیر الامراء کے مراتب ومناصب تک پہنچے۔ نظم ونثر میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ طرز جدید کی فارسی انشاپردازی میں ایسی مہارت تھی کہ عالمگیر نے بارہا احسنت وآفریں کے کلمات کہے۔ شعروشاعری کا شغل گو عالم شباب تک ہی رہا۔ مگر علمی مشاغل مرتے دم تک نہ چھوٹے س۱۱۴۳ھ میں (بعہد محمد شاہ بادشاہ) اپنے وطن سیالکوٹ میں وفات پائی۔ دو شعر تذکرہ صبح گلشن سے ہل سکے ہیں۔ تبرک سمجھ کر درج کرتا ہوں۔

Marfat.com

از تپش آسودن دل شاہد مرگ دل است
نبض از جنبش چو آسایدرگ خواب فناست

محتسب مے کشی از دست تو مشکل شدہ است
شیشۂ مے بہ بغل آبلہ دل شدہ است

میر محمد علی رائج

ساوات سیالکوٹ کے ایک نامور خاندان سے تھے۔ ''سروآزاد'' میں آپ کے متعلق مولانا آزاد بلگرامی مرحوم نے چند سطور لکھی ہیں۔ انہی میں سے چند الفاظ یہاں لکھے جاتے ہیں۔ آزاد مشرب خوش خلق اور خوش صحبت تھے۔ قلندرانہ طور پر رہتے تھے۔ بزم سخن ہمیشہ گرم رکھتے۔ اور لوگوں کو اپنے کلام سے مستفیض کیا کرتے ۱۱۰۰ھ میں بزمانہ عالمگیر طویل عمر پا کر مرحلہ زندگانی کو طے کیا۔ مولانا لکھتے ہیں۔ جب میں جب ۱۱۴۷ھ میں سفر سندھ سے واپس ہوتا ہوا لاہور آیا۔ تو ایک عزیز جو میر رائج کا صحبت یافتہ تھا۔ میرے آنے کی خبر سن کر مجھ سے ملنے آیا۔ اور اسی نے مجھے میر رائج کے کچھ شعر سنائے۔ جن میں سے تین درج کئے جاتے ہیں۔

روز وصل از بیم ہجراں تو ام گریاں گذشت
آہ عید آمد پس از عمر ے ودر باراں گذشت

چہ ساں آموقت بیرحمانہ برفتراک سرستن
زطفلی آں شکار افگن نے واندکمر بستن

اگر باحق نیازی ہست حاجت نیست تعمیری
ستون و سقف درویشان ہمیں دست دعا باشد

کتاب ہذا کی تصنیف کے دوران میں مجھے معلوم ہوا کہ میر محمد علی صاحب دیوان

Marfat.com

بھی تھے۔ میں نے ڈاکٹر سر محمد اقبال (لاہور) کی خدمت میں چٹھی لکھی۔ انہوں نے ۴ مارچ ۱۹۲۳ء کے گرامی نامہ میں تحریر فرمایا کہ "میں نے محمد علی رائج کا دیوان فارسی میں بہت ضخیم دیکھا ہے۔ غالبا شاہجہان یا عالمگیر کے زمانہ میں تھے۔ ٹیک چند نے بہار عجم میں ان کے اشعار کو جابجا محاورات فارسی کی سند میں لکھا ہے۔ ایک شعر ان کا مجھے بھی یاد ہے۔

از جوالے سر و قد دیگر بہ بند افتادہ ام
دوستاں رحمے کہ از بام بلند افتادہ ام

اس خط کے بعد میں نے بہار عجم (لغت کی لاجواب ضخیم کتاب ہے۔ ٹیک وچند نے ۱۱۵۲ھ میں بعہد محمد شاہ بادشاہ لکھی تھی۔ اس وقت منشی ٹیک چند تخلص بہار کی عمر ۵۳ سال کی تھی۔ میر رائج کے اور شعر بھی بہار عجم میں تلاش سے مل سکتے ہیں۔) کو ٹٹولا۔ تو مندرجہ ذیل اشعار میر رائج کے وہاں نظر آئے۔

ناز چوں برزد روئے آتشین او نقاب
شرم خوباں را بہ برقع آب در غربال کرد
آب گیروا شکر از شرم کلامی کہ تراست
کبک آتش خورد از داغ غلامی کہ تراست

شیخ رحمت اللہ

اصل نام بدر موہن تھا۔ صاحب حشمت اور امیر کبیر تھے۔ دہلی میں اسلام قبول کیا۔ نام رحمت اللہ رکھا گیا۔ عالمگیر اس زمانہ میں بادشاہ تھا۔ جب اسے خبر ہوئی کہ ایک نامور اور امیر کبیر ہندو نے برضا ورغبت دین اسلام قبول کیا ہے تو منصب کے علاوہ جاگیر بھی عطا کی۔ سیالکوٹ سے بدر موہن ہو کر دہلی گئے تھے۔ وہاں سے رحمت اللہ اور جاگیر دار و منصب دار ہو کر واپس آئے۔ یہ تو معلوم نہیں ہو سکا کہ خود کس قدر صاحب علم و فضل تھے۔

Marfat.com

لیکن طالبان علم کی پرورش بہت کرتے تھے۔ان کو خوراک۔ کپڑہ اور وظیفہ دیتے تھے۔مسجد دودروازہ جوشہر کے درمیان ہے انہی کی بنا کردہ ہے۔وفات ان کی فرخ سیر یا محمد شاہ غازی کے ابتدائی زمانہ میں ہوئی ہے۔

دلاور خاں نصرت

اصل نام محمد نعیم تھا۔ان کے باپ میر عبدالعزیز شہزادہ داراشکوہ کی سرکار میں نوکر تھے۔داراشکوہ کی برہمی وتباہی اور بالآخراس کے قتل کے بعد محمد نعیم نے عالمگیر کا دامن پکڑا۔ بادشاہ نے قابل ولائق دیکھ کر اعزاز بڑھایا۔اور رفتہ رفتہ دوہزاری منصب اور دلاور خاں خطاب سے سرفراز کیا۔اس کے بیٹے کا نام میر محمد منعم تھا۔عنایت اللہ خاں کاشمیری کی لڑکی سے جب اس کی شادی ہوئی تو باپ بیٹوں کے مراتب ومناصب میں اور بھی اضافہ ہوگیا۔ عنایت اللہ خاں امرائے عالمگیری میں درجہ اختصاص رکھتا تھا۔میر منعم شاہ عالم اول کے عہد میں اپنے باپ کے خطاب ''دلاور خاں'' سے ممتاز ہوا۔

فرخ سیر کے زمانہ میں جب نواب نظام الملک دکن کی صوبیداری پر مامور ہوئے تو دلاور خاں کو۔ کہ فن انشا پردازی وشاعری میں صاحب کمال تھا۔اپنے ہمراہ دکن لے گئے اوران ک بڑی عزت وتوقیر کی۔ جب نظام الملک کی جگہ امیر الامراء سید حسین علی خاں (برادر سید عبداللہ خاں بادشاہ گر) صوبیدار دکن ہوئے تو انہوں نے دلاور خاں کو رائے چور کا جوآج کل سرکار نظام کا ایک ضلع ہے۔فوجدار (کمانڈنگ افسر) بنادیا۔جب سادات بارہ یعنی دونوں بادشاہ گر بھائیوں اور ان کے متعلقین کو بعہد محمد شاہ بادشاہ زوال آیا۔اور نظام الملک آصف جاہ اول نے دکن میں دوبارہ اپنی صوبیداری مستحکم کر لی۔تو دلاور خاں کو رائے چور سے حیدرآباد میں کہ دارالخلافہ تھا۔ بلا لیا۔اور اس کے احترام و قربت میں نمایاں اضافہ کیا۔

Marfat.com

۱۱۳۹ھ میں بعہد محمد شاہ بادشاہ غازی دلاور خاں نے انتقال کیا۔ اور وصیت کی کہ مجھے میرے مرشد شاہ ابراہیم (حضرت شاہ ابراہیم کا مزار شاہ برہان الدین غریب کے روضہ واقعہ حیدر آباد کی دیوار کے قریب ہے۔) کے پاؤں کی طرف دفن کیا جائے۔ مولانا آزاد بلگرامی ''سرو آزاد'' میں لکھتے ہیں۔ شعر خوب میگوید۔ مضامین مرغوب مے بندد۔ و دیوانش مرتب است'' لیکن یہ دیوان یقیناً کم یاب بلکہ نایاب ہے۔ چند شعر جو سرو آزاد میں درج ہیں۔ یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

بسکہ میدارد حیادر پردہ محبوب مرا | دیدۂ بیگانہ داند مہر مکتوب مرا
مژگاں بہم نہ آید ولدار بے نقاب است | کے خواب میتواں کرد درخانہ آفتاب است
بے ابروئے تو از نظرم دور مے رود | ایں تیر بے کماں چہ قدر دور مے رود
بہ محفلے کہ بیک درد صد دوا بخشند | چہ مے شود دل مارا اگر بما بخشند
نیست ممکن کہ بروئے تو دمے خواب مرا | مے زند دست بہ پہلو دل بیتاب مرا
چشم پوشیدہ تواں کرد سفر | چہ قدر راہ فنا ہموار است
سیشہ ساعت بود آئینہ دنیاؤ دیں | گر یکے آباد گردد دیگرے ویراں شود
برز مینے کہ او بہ ناز نشست | خاک برسر گر آسماں نشود
بہ عقبےٰ رسیدیم از ترک دُنیا | نشد آنچہ از دست از پشت پاشد
روز بدیاری نمے آید زیاراں دیدہ ام | سایہ ہم درزیر پاگم می شود وقت زوال

مولانا جان محمد

مولانا عبدالحکیم کے خاندان سے تھے۔ محمد شاہ بادشاہ دہلی نے بارہ سو روپیہ ماہوار ان کا وظیفہ مقرر کیا۔ تیمور شاہ کابلی نے بھی بڑی قدر کی۔ ان کے کچھ حالات مولوی عبدالحکیم کی اولاد و احفاد کے بیان میں لکھے جا چکے ہیں۔

Marfat.com

مولانا نادری

نہایت عالم وقابل تھے۔شاعری میں شہرت خاص تھی۔صبح گلشن (فارسی شعراء کا ایک تذکرہ جونواب صدیق حسن خاں (بھوپال) کے فرزند نواب سید علی حسن خاں نے ۱۲۹۵ھ میں بزبان فارسی لکھا ہے۔) میں آپ کے متعلق لکھا ہے۔''نادری سیالکوٹی از نیکوفکران سیالکوٹ کہ مضاف صوبۂ لاہوراست۔نکات دقیقہ اش قابل خوض وغور''۔آپ کی یادگار صرف ایک رباعی مل سکی ہے۔

من بودم و دوش یارسیمین تن من — جمع زنشاط و عیش پیر امن من
ایشاں ہمہ صحدم پراگندہ شدند — جز خون جگر کہ ماند بردامن من

مولانا حاج

وطن سیالکوٹ تھا مگر علمی صحبتوں کی وجہ سے دہلی میں رہتے تھے۔جامع فضائل ظاہری وباطنی تھے۔محدث کامل اور فقیہہ متبحر تھے۔میرزا مظہر جان جاناں دہلوی جن کا اصل نام شیخ شمس الدین العلوی ہے۔فن حدیث میں آپ ہی کے شاگرد تھے۔میرزا مظہر جان (بعمر سو سال ۱۱۹۵ھ ۱۰محرم کو آپ ایک شقی القلب کے ہاتھوں بمقام دہلی شہید کیے گئے۔) جاناں کو قوت کشفیہ اور اتباع سنت نبویہ اور علم وفضل میں شان عظیم حاصل تھی۔اسی سے مولانا حاج کی قابلیت کا اندازہ لگالو۔

مولوی عبداللہ

مولوی عبداللہ اپنے کمال علم وفضل اور اپنے درس فقہ وحدیث کی وجہ سے نمایاں خصوصیت رکھتے تھے۔عہد عالمگیری کے نامور علماء میں تھے۔اور عالمگیر کے دربار میں رسوخ خاص رکھتے تھے۔مآثر الامراء (جلد اول صفحہ ۳۵۰۔) میں ان کے رسوخ واقتدار کا ایک واقعہ

Marfat.com

درج ہے جس میں لکھا ہے۔ ملا عبداللہ کی دربار عالمگیری میں بڑی رسائی تھی۔ کلانور (گورداسپور) کا ایک کھتری دیبی داس جو ملا کے ارشد تلامذہ سے تھا۔ اسی کی سفارش و وساطت سے عالمگیر تک پہنچا۔ عالمگیر نے اس کی لیاقت و قابلیت سے خوش ہو کر متاع خانہ کا منصب اور اخلاص کیش کا خطاب دیا۔ بعد میں اندور اور بیدر کی فوجداری (کمانڈنگ افسری) بھی عنایت کی۔ اور سال ۳۹ جلوس میں چہار صدی سہ صد پنجاہ سوار کا جدید منصب عطا فرمایا۔ (اخلاص کیش دیبی داس شاہ عالم بہادر شاہ کے زمانہ میں پہلے مورد عتاب رہا۔ پھر بے قصور ثابت ہو کر دو ہزار پانصدی یک ہزار سوار کے منصب کو پہنچا۔ اور اخلاص خاں کا خطاب ملا۔)

تذکرہ اکابر اسلام میں مولانا عبداللہ کے متعلق لکھا ہے۔ ''اہل دولت سے کنارہ کش رہنے اور گوشہ نشینی میں باپ سے بڑھا ہوا تھا۔ عالمگیر ایک مرتبہ اجمیر میں تھا۔ اس نے خواجہ بختاور خاں کو مولانا عبداللہ کے پاس سیالکوٹ بھیجا۔ اور عہدۂ صدارت تفویض کرنے کے لئے اجمیر بلوایا۔ مولانا نے کہا۔ خواجہ! میری عمر ساٹھ برس کی ہو گئی یہ وقت نوکری ترک کرنے کا ہے نہ کہ نوکری اختیار کرنے کا۔ چنانچہ خواجہ بختاور خاں ناکام واپس چلا گیا۔ بادشاہ نے وہ عہدہ قلیچ خاں کو تفویض کر دیا۔ مولانا عبداللہ ۱۰۹۴ھ میں بعہد عالمگیر وفات پا گئے''۔

شیخ ولی محمد ولی

ان کے باپ شیخ منگلو نواب نجابت علی خاں والیے جھجر کی لٹن کے کرنیل تھے۔ یہ خود بھی نواب بہادر جنگ والے بہادر گڑھ (جھجر و بہادر گڑھ کی دونوں ریاستیں بوجہ فسادات غدر ۱۸۵۷ء میں ضبط ہو گئیں۔ بہادر گڑھ اب ایک معمولی قصبہ ہے۔ اور جھجر دہلی کی ایک تحصیل ہے۔) کے رفیق و مصاحب رہے ہیں۔ تعلیم کی تکمیل اپنے وطن سیالکوٹ ہی میں کی۔ علاوہ دولت و تمول کے دولت سخن سے بھی مالا مال تھے۔ شاہ نصیر دہلوی اور ذوق دہلوی کا زمانہ پایا ہے۔ شاعری میں شاہ نصیر سے اصلاح لیتے تھے۔ غدر ۱۸۵۷ء

Marfat.com

سے کچھ عرصہ پیشتر ان کی زندگی کا پتہ چلتا ہے۔تذکرہ سخن شعراء میں مندرجہ ذیل دو اردو شعر آپ کی یادگار ہیں۔

کیونکہ بتلاؤں نشاں تمکو ستمگر اپنا　　عالم خانہ بدوشی میں کہاں گھر اپنا
رتبہ تھا کیا قمر کا کہ کرتا وہ ہمسری　　جب آفتاب رخ کے مقابل نہ ہوسکا

شاہ خوشی قاضی سیالکوٹ

راقم الحروف نے سیاحت کشمیر (۱۹۲۴ء) کے ایام میں ایک کتاب منظور گلدستہ (اس کتاب میں ۱۱۱۸ھ تک کے بعض واقعات و حالات منظوم ہیں۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کے چند سال بعد کی تصنیف ہے۔) سخن کے نام سے دیکھی۔جس کے مصنف جوت پرکاش شوقی ایک ہندو بزرگ تھے اور عہد عالمگیری میں کشمیر اور لاہور کی نظامتوں میں اعلیٰ عہدوں پر رہے ہیں۔انہوں نے ایک منظوم خط شاہ خوشی کے نام لکھا ہے جو اس زمانہ میں سیالکوٹ کے قاضی تھے۔اور عالمگیر کے دربار میں امتیاز خاص رکھتے تھے۔چند اشعار ذیل میں درج ہیں۔

سحر گاہ نویدے رسیدم بگوش　　کہ شخصے است ازدوستان خوشی
عجب عند لیب است نادر بیاں　　کہ مے آید از بوستان خوشی
چورہ یافت در خلوت خاص گفت　　کہ مے آیم از آستان خوشی
دعائے رسانید باتہنیت　　بصد آب و تاب ازبیان خوشی
بیاں کرد آنکہ کمالات خویش　　کہ با ایست از کاروان خوشی
متاع گرانمایہ بیروں کشید　　زکان خوشی بل وکان خوشی
خداوند رابسکہ محفوظ ساخت　　بفرس نو و ترجمان خوشی
جوابے بصد مہربانی شنید　　رواں شد بسوئے جہان خوشی
بہنگام رخصت چنیں گفتمش　　کہ ہر کہ رسی درمکان خوشی
سلامے ازیں بندہ خواہی رساند　　بخلوتگہ خاد مان خوشی

Marfat.com

مختصر تاریخ سیالکوٹ

سیالکوٹ کی تواریخیں

سیالکوٹ کی دو تواریخیں اس وقت میرے پیش نظر ہیں۔ایک بندوبست کی تاریخ ہے۔اورایک کا نام ''وقائع زمستان حصار'' یا تاریخ سیالکوٹ ہے۔

تاریخ بندوبست سیالکوٹ بہت بڑے حجم کی کتاب ہے۔ اس میں تاریخی حالات بہت کم ہیں۔قوموں اور گوتوں اور ذیلداریوں اور نمبرداریوں اور گاؤں کی ذات وار تقسیموں اور قوموں کے رسم ورواج کے حالات اس میں زیادہ درج ہیں۔

''وقائع زمستان حصار'' کا نام تو تاریخ سیالکوٹ ہے۔لیکن درحقیقت اس کے بعض واقعات افسانہ سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتے۔ مصنف نے تحقیق وتفتیش اور افسانہ نویسی کو تاریخی واقعات سے تطبیق کرنے میں زیادہ محنت سے کام نہیں لیا۔

سیالکوٹ کا ڈسٹرکٹ گزیٹر بھی قابل دید ہوگا۔لیکن میں اس سے مستفید نہیں ہوسکا۔

سیالکوٹ اتنا قدیم شہر ہے۔اوراس کا تعلق ملک کے پالیٹکس سے اس قدر رہا ہے کہ تاریخ فرشتہ۔ تاریخہائے کشمیر۔ سیرالمتاخرین۔ تاریخ ہائے پنجاب اور بعض اور تاریخوں میں کہیں کہیں اس کا ذکر آجاتا ہے۔

میں نے کوشش کی ہے کہ متذکرہ صدر تاریخوں سے سیالکوٹ کے متعلق جسقدر معلومات مجھے حاصل ہوں۔وہ میں مختصر طور پراس ضمیمہ میں درج کردوں۔

سیالکوٹ کی وجہ تسمیہ

قریباً پانچ ہزار سال یا اس سے کچھ زیادہ عرصہ گذرا۔ راجہ شل نے جونکل اور سہدیو کا ماموں اور پانڈو کا رشتہ دار تھا۔اس کو آباد کیا۔اس زمانہ میں سیالکوٹ کا نام شاکل

Marfat.com

تھا۔ چنانچہ مہابھارت کے کرن پرب میں راجہ شل کی نگری ''شاکل'' کا اس طرح ذکر ہے۔ کہ یہ نگری اپکاندی کے کنارہ پر مدردیس میں واقع ہے۔ مدردیس اس زمانہ میں پنجاب کا نام تھا۔ اور سیالکوٹ کی مشہور ندی ایک اس زمانہ میں اپکاندی کہلاتی تھی۔

سیالکوٹ کی وجہ تسمیہ میں ایک اور بیان بھی نظر سے گذرا ہے۔ جس کو زیادہ تر قرین قیاس بتایا جاتا ہے۔ لکھا ہے کہ راجہ بکر ماجیت کے زمانہ میں جس کو ایک ہزار نوسو اسی سال گذر چکے ہیں۔ راجہ شالباہن نے یہاں ایک قلعہ بنوایا۔ قلعہ کو پنجابی زبان میں کوٹ کہتے ہیں۔ اس لیے قلعہ کا نام شالکوٹ اور بعد میں سیالکوٹ مشہور ہو گیا اور اسی نام سے شہر کی شہرت بھی ہو گئی۔ راجہ شالباہن کے دو بیٹے تھے۔ ایک تو تارک الدنیا اور فقیر ہو کر شہزادہ پورن سے پورن بھگت کہلایا۔ جس کے کئی قصے پنجابی زبان میں تصنیف ہو گئے ہیں۔ اور جس کے گیت پنجاب میں ہر جگہ گائے جاتے ہیں دوسرا رسالو (بیان کیا جاتا ہے کہ یہی راجہ رسالو راجہ نل کا داماد تھا۔ جو اس زمانہ میں ٹیکسلا متصل سرائے کالا ضلع راولپنڈی کا راجہ تھا۔ اسی مقام (ٹیکسلا) پر انگریزوں نے ۱۹۱۴ء) سے کھدائی کا کام کئی میلوں میں شروع کر رکھا ہے۔ بہت سے بت۔ مورتیاں سکے اور برتن اس زمانہ کے کھدائی سے برآمد ہوئے ہیں۔) جس کے متبنی راجہ کرم کی اولاد ملک مانجھ نواح لاہور میں عرصہ دراز تک برسر اقتدار رہی۔

خاندان غزنوی وغوری کا تعلق سیالکوٹ سے

راج شالباہن کے زمانہ اچھ بکر ماجیتی سے لیکر جو سال ہجری سے قریباً ۶۳۹ سال پیشتر شروع ہوتا ہے۔ ۴۰۰ھ یا ۱۰۳۹ سال کے طویل زمانہ تک سیالکوٹ کے حالات پر بالکل تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ معلوم نہیں سیالکوٹ کی سرزمین نے کیا کیا انقلاب دیکھے

Marfat.com

ہوں گے اور اس سرزمین نے کس کس دل و دماغ کے انسان پیدا کئے ہوں گے۔ لاہور کے برہمن راجگاں جے پال وانند پال وغیرہ کی حکومت تمام پنجاب پر تھی۔ اور گو سیالکوٹ میں ایک الگ راجدھانی تھی لیکن وہ راجہ پنجاب کے راجہ کے ماتحت ہی سمجھا جاتا تھا۔

۴۱۲ھ میں یعنی راجہ شالباہن کے زمانہ سے ایک ہزار اکاون سال کے بعد محمود غزنوی پنجاب میں اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھتا ہے۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ اس زمانہ میں بھی سیالکوٹ کے حالات پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ حالانکہ تمام پنجاب معہ سیالکوٹ غزنوی حکومت کے ماتحت تھا۔ صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ محمود نے سیالکوٹ کی حکومت راجہ قدیم کے نام پر ہی رہنے دی تھی۔ البتہ اس کی نگہداشت اور اس کی نقل و حرکت کا خیال رکھنے کے لئے دس غزنوی سپاہی قلعہ میں متعین رہتے تھے۔

تاریخ فرشتہ میں شہاب الدین غوری کے حالات میں لکھا ہوا ہے۔ جب ۵۸۰ھ میں شہاب الدین غوری دوسری مرتبہ لاہور آیا۔ تو خسرو شاہ غزنوی وہاں کا حاکم تھا۔ شہاب الدین نے لاہور کو غارت و تاراج کرنے کے بعد سیالکوٹ کا رخ کیا۔ وہاں ایک قلعہ تعمیر کرایا۔ اور حسین خرقیل کو قلعہ دار اور سیالکوٹ کا حاکم مقرر کیا۔

جب شہاب الدین واپس چلا گیا تو خسرو ملک جو جان چھپائے پھرتا تھا۔ سیالکوٹ کے پہاڑوں (جموں کے پہاڑوں کا سلسلہ زمانہ قدیم میں کوہستان سیالکوٹ ہی کہلاتا تھا۔ اس زمانہ میں جموں کو کوئی اہمیت نہ تھی۔ بلکہ وہ ایک معمولی چکلہ شمار ہوتا تھا۔) سے باہر نکلا۔ اور گکھڑوں اور دوسرے اہل ملک کی مدد سے قلعہ سیالکوٹ پر حملہ آور ہوا۔ اور محاصرہ کر کے حسین خرقیل کو بہت تنگ کرنے لگا۔ شہاب الدین کو خبر ہوئی۔ وہ ۵۸۲ھ میں لشکر جرار لے کر پھر سیالکوٹ آیا۔ اور خسرو اور اس کے بیٹے ملک شاہ اور اس کے دیگر اہل خاندان کو باندھ کر غزنی بھجوا دیا۔ جہاں سب موت کے گھاٹ اتارے گئے۔

Marfat.com

پنجاب میں غزنوی خاندان کی حکومت قریباً پونے دوسو سال تک رہی ہے اور غزنوی حکومت کے بعد پنجاب پر خاندان غلاماں۔ بلبن اور خلجی کا عہد بھی قریباً اسی قدر عرصہ تک رہا ہے۔ مگر جو واقعہ خسرو اور شہاب الدین غوری (بہاول شہید کے مزار کے متصل جو کاکروں کاٹبہ ہے وہ شہاب الدین غوری کے زمانہ کا قلعہ بیان کیا جاتا ہے۔ جہاں کاکر قوم کے سپاہی تعینات تھے۔ وہ قلعہ انہی کے نام سے کاکروں کا قلعہ مشہور ہوا۔ جواب بوجہ انہدام وتباہی کاکروکاٹبہ کہلاتا ہے۔) کا بیان کیا جاچکا ہے۔ ساڑھے تین سو سال کی تاریخ سیالکوٹ۔ اس کے سوااور کوئی واقعہ نہیں بتاتی۔

سیالکوٹ شاہان تغلق کے عہد میں

غزنوی عہد حکومت سے لیکر خاندان تغلق کے ابتدائی ایام تک پنجاب و ہندوستان میں اسلامی حکومت کو ساڑھے تین سو سال کا جو عرصہ گذرا ہے۔ اس طویل عرصہ میں مسلمانوں کی آبادی ان ممالک میں بڑھتی دولت کی طرح ترقی کر رہی تھی۔ پشاور۔ راولپنڈی۔ خوشاب۔ بھیرہ۔ جہلم۔ سیالکوٹ۔ لاہور۔ ملتان۔ دہلی۔ اجمیر۔ ان سب مقامات میں مسلمانوں کی معقول تعداد تھی۔ بیرونجات سے بھی بہت سے مسلمان پنجاب و ہند میں آکر آباد ہوگئے تھے۔ اور صوفیاء ومشائخ اسلام کے حسن عمل اور خلق محمدی سے بھی بہت سے غیر مسلمان۔ مسلمان ہو چکے تھے۔ اور ہورہے تھے۔ باوجود اس افزدنئے عروج واقبال کے مسلمان بادشاہوں نے ان ہندوراجگاں کا راج پاٹ۔ جنہوں نے باجگزار ہونا قبول کرلیا تھا برابر قائم رکھا ہے۔ انہی باجگزاروں میں سیالکوٹ کا ہندوراجہ بھی تھا۔ لیکن جب تغلق عہد میں دارالسلطنت (دہلی) میں کچھ ابتری و بدنظمی کا ظہور ہوا۔ تو راجہ سہنپال (معلوم نہیں یہ راجہ جے پال۔ اندپال وغیرہ والیان لاہور کے خاندان سے تھا۔ یا کسی اور

Marfat.com

خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ بہر حال وہ ان کا ہم لقب اور ہم قوم (برہمن) ضرور تھا۔) نے جو اس وقت سیالکوٹ کا باجگزار حکمران تھا۔ اور موقعہ کی تاڑ میں تھا۔ اپنے مشیروں کے صلاح ومشورہ سے خودسری اختیار کر لی۔ کسی مبارک ساعت کے لئے منجم اور برہمن بلائے گئے۔ اور ان کو تاکید کی گئی کہ اپنے علم کے زور سے کوئی ایسا جادو بتاؤ۔ اور ایسا منتر پھونکو۔ کہ دشمن کامیاب نہ ہو سکے۔

نجومیوں اور جوتشیوں نے غور وفکر کے بعد عرض کیا۔ اگر انسانی خون قلعہ کے چاروں گوشوں اور قلعہ کی دیواروں پر چھڑکا جائے۔ تو بہت مبارک ہے۔ اور امید قوی ہے کہ دشمن کبھی ہم پر فتح مند نہ ہو سکے گا۔

قلعہ سیالکوٹ کی دیواروں پر ایک مسلمان کے خون کا چھڑکاؤ

اسلامی خون کے سوا اور کونسا انسانی خون بہ آسانی دستیاب ہو سکتا تھا۔ راجہ کے آدمیوں نے ایک غریب بڑھیا مسلمان عورت کے جوان فرزند کو پکڑا۔ اور بہ قصور و بے جرم اس کو بیدردانہ طور قتل کر کے اس کا خون قلعہ کی دیواروں پر چھڑکا گیا

خون کے چھاپے لگ گئے دیوار میں　　　میرا مرنا ان کے گھر شادی ہوئی

بڑھیا ماتا کی ماری روتی پیٹتی سیالکوٹ سے باہر نکل آئی۔ بیٹے کے فراق و ماتم میں شہر بشہر اور دربدہ پھرتی ہوئی سید امام علی (تاریخ سیالکوٹ صمدی یعنی "واقع رستان حصار" میں لکھا ہے کہ بڑھیا مظلوم پہلے حضرت سید یعقوب زنجانی صدر دیوان کے پاس لاہور گئی۔ انہوں نے سید علی لاحق کے نام رقعہ لکھ دیا۔ کہ بادشاہ دہلی سے کہہ کر مظلومہ کی داد رسی کرا دو۔ تاریخی لحاظ سے بڑھیا کی ملاقات حضرت صدر دیوان سے غلط ثابت ہوتی

Marfat.com

ہے کیونکہ حضرت صدر دیوان۔ حضرت شاہ حسین زنجانی کے ہمراہ جو حضرت داتا گنج بخش لاہوری کے پیر بھائی تھے تیسری صدی کے اواخر میں لاہور آئے ہیں۔ اور امام علی لاحق کا واقعہ آٹھویں صدی ہجری کے وسط کا ہے۔) لاحق بن سید حسن مکی کی خدمت میں آئی جو عہدہ ومنصب شاہی ترک کر کے کوہستان کانگڑہ کے نواح میں گوشہ نشینی اختیار کئے ہوئے تھے۔ آپ نے راجہ سہپال کے اس ظلم وستم کی یہ دردناک کہانی سن کر بڑھیا سے امداد کا وعدہ کیا۔ اور دلجوئی کے کلمات زبان سے فرمائے۔

چند روز کے بعد حسن اتفاق سے سلطان فیروز (عہد حکومت ۷۵۲ھ لغایت ۷۹۹ھ وفات بعمر ۹۰ سال۔) شاہ تغلق کوہستان سرمور کی طرف جاتا ہوا اسی جگہ آنکلا۔ اور ڈیرہ خیمہ امام علی لاحق کے گردوجوار میں لگا دیا۔

حضرت امام صاحب نے بادشاہ سے اس غریب بڑھیا کی المناک داستان اور راجہ کی حماقت وسنگدلی کا ذکر کیا۔ بادشاہ نے امام صاحب کے سپرد ایک عظیم لشکر کر دیا۔ اور کہا کہ اس کا قرار واقعی انتظام کر کے خلق خدا کو اس کی حماقتوں سے نجات دلایئے۔ یہ واقعہ ۷۵۷ھ (سلطان فیروز شاہ تغلق اپنی طویل عمر اور اپنے طویل عہد حکومت میں پانچ مرتبہ پنجاب میں آیا ہے۔ اول ۵ صفر ۷۵۳ھ کو بطریق سیر وسیاحت کوہستان سرمور کی طرف۔ دوم ۷۵۴ھ میں کلانور شکار کھیلنے آیا۔ جہاں عمارات بھی تعمیر کرائیں۔ سوم ۷۵۷ھ میں پھر سرمور آیا۔ اسی سنہ میں ہانسی کی طرف قلعہ فیروز اللہ شہر فیروز آباد۔ آباد کیا۔ اور نہریں اور تالاب کھدوائے۔ چہارم ۷۶۲ھ میں سرہند آیا۔ وہاں سے نگر کوٹ کانگڑھ گیا۔ جہاں راجہ نے مصر اور کوہستانی رئیسوں کے متابعت کی پانچویں مرتبہ ۷۸۱ھ میں کوہ سمانہ۔ انبالہ۔ شاہ آباد اور سر میں آیا۔ تاریخ سیالکوٹ میں لکھا ہے کہ سلطان فیروز شاہ ۷۵۷ھ میں کوہستان کانگڑہ آیا۔ اور تاریخ فرشتہ میں کوہستان سرمور لکھا ہے جو زیادہ صحیح ہے لیکن ان دونوں کو

Marfat.com

ہستانوں کا زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔ بلکہ باہم ملے ہوئے ہیں۔ اس لئے مصنف تاریخ سیالکوٹ کی یہ غلطی چنداں قابل لحاظ نہیں ہے۔) کا بیان کیا جاتا ہے۔

راجہ سیالکوٹ کے بھائی سے امام صاحب کی جنگ

حضرت امام صاحب غازیان جانباز کو ہمراہ لیکر اپنے مقام رودل سے روانہ ہوئے منزل بہ منزل جب جالندھر پہنچے تو آپ کے بھائی سیدنا امام ناصر الدین بیمار ہو گئے۔ اور چند روز علالت کے بعد یہیں انتقال فرما گئے۔ مزار آپ کا شہر جالندھر میں زیارت گاہ خلائق ہے۔ بھائی کی تجہیز و تکفین کے بعد امام صاحب سیالکوٹ کی طرف روانہ ہوئے۔

راجہ سہپال کا بھائی راجہ جگت پال جگت پور میں حکومت کرتا تھا۔ وہ سدِ راہ ہوا راجہ جگت پال اور اس کی فوج کے ہزارہا آدمی مارے گئے۔ مسلمانوں کا بھی نقصان ہوا۔ اور سید میر باز خاں المشہور سید میراں برخوردار بھی شہید ہو گئے۔ جن کا مزار اب تک جگت پور میں موجود ہے۔

تاریخ سیالکوٹ صمدی میں لکھا ہے۔ جگت پور کا نام غازیان اسلام نے اس فتح کی یادگار میں پرسرور رکھا۔ جو رفتہ رفتہ پسرور کے نام سے بدل گیا۔ لیکن بعض لوگ پسرور کو پرس رام کسی ہندو کا آباد کردہ بتاتے ہیں۔

ایک اور شجاع اسلام سید غالب علی غازی نام مقام ہنس پور لشکر جرار لیکر گئے۔ جو ٹھاکر ہنس پال برادرزادہ راجہ سہپال کا تعمیر کردہ تھا۔ ٹھاکر اور اس کے سرداران نامدار مارے گئے۔ سید غالب علی غازی بھی شہید ہو گئے۔ مگر آخر میں فتح مسلمانوں ہی کی ہوئی۔ اس مقام کا نام اب آدم دراز ہے۔ یہاں گنج شہیداں موجود ہے۔ اور مسلمان ان غازیان اسلام پر فاتحہ پڑھتے رہتے ہیں۔

Marfat.com

امام صاحب کی شہادت سیالکوٹ میں!

آخر امام سید علی لاحق کا لشکر سیالکوٹ پہنچا۔ راجہ سہپال نے شہر اور قلعہ کی حفاظت کا ایسا انتظام کیا ہوا تھا کہ اس پر فتح پانا بظاہر بڑا مشکل تھا۔ امام صاحب نے ندی ایک کے جنوب کی جانب قیام کیا۔ دو دن تک لڑائی ہوتی رہی۔ مگر امام صاحب کی فوج ایک سے پار نہ ہو سکی۔ تیسرے دن کے معرکہ عظیم میں مسلمان ندی سے پار ہو کر شہر میں داخل ہو گئے۔ اور راجہ قلعہ میں محصور ہو گیا۔

کئی دنوں تک محاصرہ قائم رہا۔ مسلمانوں نے فتح حاصل تو کر لی۔ مگر ان کے بڑے بڑے نامور افسر مارے گئے۔ خود امام صاحب زخمی ہو گئے۔ اور زخم اسقدر گہرے اور شدید نکلے۔ کہ آپ جانبر نہ ہو سکے۔

امام صاحب اور ان کے دیگر شہداء کے متعلق یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ جہاں اور جس حالت میں کسی کا انتقال ہوا ہے۔ اسی جگہ اور اسی حالت میں اسے دفن کر دیا گیا ہے۔

قلعہ کے چاروں طرف شہدائے اسلام کے مزارات متفرق مقامات پر نظر آتے ہیں۔ لیکن جہاں امام صاحب کا عالیشان پختہ چونہ گچ روضہ ہے وہاں صدہا مزارات ایک دوسرے کے پہلو میں موجود ہیں۔ اور ہر شہید دوسرے شہید کے متعلق زبان حال سے کہتا ہے

چھوٹا سا اک مزار کے اندر مزار ہے — یوں دفن میرے ساتھ دل بیقرار ہے

اس کثرت مزارات سے ان جانبازان اسلام کی غیرت وحمیت عجیب عبرت وحیرت کا نقشہ دکھاتی ہے۔

Marfat.com

(۱۲ مارچ ۱۹۱۰ء کو ایک دوست چاندین کی تحریک سے مندرجہ ذیل اشعار لاہور میں حضرت امام صاحب کے متعلق لکھے گئے جو حضرت کے مزار پر حاضر ہو کر پڑھے گئے)

یاد گار سید مظلوم اے بیکس امام — آج حاضر ہیں مزار پاک پر تیرے غلام

اے خدائے دین حق اے مرجع ہر خاص و عام — پھونک دے کانوں میں ان کے بھی کوئی ایسا کلام

سر چلا جائے نہ جانے پائے دامن دین کا — دیکھتا رہ جائے استقلال دشمن دین کا

ناز کر قسمت پہ اپنی اے زمین سیالکوٹ — تجھ میں ہے ایسا دفینہ جس پہ اک عالم ہے لوٹ

تیرے دم سے نام کچھ اسلام کا باقی ہے یاں — تیری برکت سے ہمارا شہر ہے رشک جناں

مٹ گئے خود پر دیا مٹنے نہ مذہب کا نشان — ڈھیر قبروں کے نہیں غیرت کے ہیں گنج نہاں

میں چراغ دین ہوں بجھنا نہیں میرا روا — جس سے روشن دین ہو وہ روشنی کیجے عطا

مزار مبارک پر ہر جمعرات کو مسلمان اس کثرت سے آتے ہیں کہ خاصہ میلا ہو جاتا ہے۔ عیدین کے میلوں کے علاوہ ایام محرم میں ۸ تا ۱۱ محرم اس روضۂ مبارکہ پر عظیم الشان میلہ ہوتا ہے جس میں تمام ضلع کے لوگ آتے ہیں۔ وفات کا قطعہ تاریخ جو تاریخ سیالکوٹ میں درج ہے حسب ذیل ہے

چوں براہ ذوالجلال ذوالکرام — داد جاں را آں علی لاحق امام

از پئے سال شہادت بانگ حق — در رسید از لطف در گوش انام

از سر یاد الہ و برتری — رفت از دنیا شہ دار السلام

۷۵۷ھ

راجہ سہنپال اور اس کے بہت سے ساتھی مارے گئے۔ دروازۂ قلعہ کے اندر جو مزار ہے وہ سید سرخ رو صاحب کا ہے۔ جو قلعہ کے عین دروازہ کے سامنے شہید ہو گئے تھے۔ غریب بڑھیا بھی اسی لڑائی میں شہید ہو گئی۔ اس کی اور بیٹے کی قبر (جس کا پتہ بعد

Marfat.com

میں لگایا گیا تھا) بعمارت پختہ قلعہ کے اندر موجود ہے۔ اس واقعہ کے بعد سیالکوٹ کی تاریخ میں ہندو عہد حکومت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

سیالکوٹ اور سلطان حسن شاہ فرمانروائے کشمیر

کشمیر جو آج تمام جہان کی برائی اور بزدلی کا مخزن بیان کیا جاتا ہے۔ جس کے باشندوں کو دیکھ کر ان کے دل کی تمام کیفیت بلکہ ملک کشمیر کی تمام واماندگی و درماندگی پیش نظر ہو جاتی ہے۔ ایک زمانہ میں اس کی فتوحات کا پرچم حدود کشمیر سے صدہا میل دور تک لہراتا رہا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ اس کا ہر فرد یہی پھرن اور یہی لمبے درویشانہ کرتے پہن کر ع دو اسپہ دوانم بہ میدان جنگ کا نعرہ لگاتے ہوئے کہتا تھا

(ملا حمید اللہ اسلام آبادی کاشمیری کا اکبر نامہ ملاحظہ کیجئے۔ یہ اکبر نامہ فردوسی کے شاہنامہ کی طرز پر ہے۔ حمید۔ فردوسی پر چوٹ کرتا ہوا کہتا ہے ازیں پیش گرنامہ ہا گفتہ اند، بمشت زرے گوہرے سفتہ اند۔ نہ کردم من ایں داستاں بہر زر کہ بہر خذف کس نریزد گہر، فرو شم گہر مقصد م سود نیست۔ نگاہم سوئے دست محمود نیست۔ پھر اپنی سخن گوئی و سخن ریزی کی داد فردوسی طوسی ہی سے لیتا ہے اور کہتا ہے کہند بر من از گنبد آبنوس۔ ہزار آفریں روح دانائے طوس۔ یہ اکبر نامہ ۱۲۶۰ھ میں تصنیف ہوا ہے اور ابتک غیر مطبوع ہے۔)

فراخ است میداں ولے مرد کو ۔۔۔ کسے رابمن تاب ناورد کو
کہ تیغم ہنو است عریاں بکف ۔۔۔ کسے کو تواند برآمد بہ صف
کجا زہرہ دارد کہ آرد جواب ۔۔۔ بہ دیدن شود خصم راز ہرہ آب

آج جموں کے فرمانروا کشمیر کے لوگوں خصوصاً مسلمانوں پر جس "انصاف و مساوات" اور "ہمدردی و بے تعصبی" سے حکومت کر رہے ہیں۔ اخبار بین حضرات اور ان

Marfat.com

اصحاب سے پوشیدہ نہیں ہے جو ہر سال کشمیریوں کے جم غفیر کو پنجاب کے تمام بڑے بڑے شہروں میں محنت مزدوری کرتے اور پھٹے پرانے کپڑے پہنے دیکھتے ہیں۔ اور پھر ان کے ملک کی طویل داستان المناک بھی سنتے ہیں۔ جموں وکشمیر کے انہی فرمانرواؤں کے ایک بزرگ راجہ عجب دیو والئے جموں کو جب تاتار خاں حاکم لاہور نے سخت تنگ کیا اور اس کو اپنی جان وآبرو بچتی نظر نہ آئی تو اس نے اسی ''بزدل وکم ہمت'' کشمیر کے مسلمان فرمانروا سلطان حسن شاہ کو اپنی مدد وحمایت کے لیے لکھا۔ سلطان حسن شاہ خود تو نہ آسکا۔ مگر اس نے اپنے ایک نامور افسر ملک تازی بٹ ایک جرار فوج کے ہمراہ راجوری کے رستے جموں بھیجا۔ تاتار خاں کو بھی خبر ہوئی۔ وہ بھی مقابلہ کے لئے لاہور سے باہر نکلا۔ سیالکوٹ کے مقام پر دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں۔ جنگ عظیم میں کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ تاتار خاں نے جب دیکھا کہ اس کی فوج گاجر مولی کی طرح کٹی جا رہی ہے۔ تو بے حوصلہ ہو کر اور جان بچا کر بھاگ گیا۔ تازی بٹ مظفر ومنصور شہر میں داخل ہوا۔ اور اس کی فوج نے اس قدر لوٹ شہر میں مچائی کہ سیالکوٹ جو اسقدر آباد و بارونق شہر تھا اجاڑ نگر ہو گیا۔ چنانچہ فرشتہ لکھتا ہے۔ ''تازی بٹ نے تاتار خاں کو شکست دے کر سیالکوٹ کو خراب اور ویران کر دیا''۔ یہ واقعہ ۸۸۰ھ سے ۸۹۲ھ تک کے درمیان ہوا ہے کیونکہ یہی زمانہ سلطان حسن شاہ کی حکومت کا تھا۔

سیالکوٹ عہد بابری میں

ہندوستان اور پنجاب میں خاندان لودھی کی حکومت تھی۔ کہ ۹۲۶ھ میں ظہیر الدین بابر تسخیر لاہور کے لئے کابل سے باہر نکلا۔ اور سیدھا سیالکوٹ پہنچا۔ شہر کے لوگوں نے بعجز تمام اپنے قائم مقام اور سرکردہ ومنتخب لوگ بابر کے حضور میں بھیجے اور اطاعت اختیار کر کے جان کی امان اور مال وناموس کی حفاظت چاہی۔ بابر نے اہل سیالکوٹ کی التماس

Marfat.com

پذیرا کی۔ اور اپنی فوجوں کو اہل شہر کی ایزادہی اور لوٹ مار سے بہ سختی تمام باز رکھا۔ ۹۳۰ھ میں بابر ابراہیم لودھی کے رشتہ داروں بالخصوص حاکم پنجاب دولت خاں لودھی کی دعوت پر چوتھی مرتبہ وارد ہند ہوتا ہے۔ اور سیالکوٹ لاہور اور دیپال پور تک کہ اس زمانہ میں نہایت اہمیت رکھتا تھا۔ پہنچتا ہے۔ بابر نے ہر جگہ اپنے آدمی مقرر کیئے۔ سیالکوٹ کی حکومت خسرو کو کلتاش۔ اور لاہور کی حکومت امیر عبدالعزیز کے سپرد کر کے آپ واپس کابل چلا گیا۔

دولت خاں لودھی نے بابر کو اپنے ملک میں دعوت دیکر جو حماقت کی تھی۔ بابر کے جانے کے بعد اس پر اس کو ندامت آئی اور اس نے تلافی مافات کے لئے پانچ ہزار شروانی افغان سواروں کے ساتھ خسرو کوکلتاش پر حملہ کر دیا۔ خسرو کو بھی دولت خاں کے منصوبوں کی خبریں پہنچ رہی تھیں۔ اس نے بابر کے پاس ایسے آدمیوں کے ہاتھ لودھیوں کے دغا وفریب کی اطلاع بھیجی جو ہوا کی طرح گئے اور بگولے کی طرح ۹۳۲ھ، ۱۵۲۵ء میں بابر کو ہمراہ لیکر آئے۔

امیر عبدالعزیز لاہور کا بابری گورنر اور دیگر امرائے بابری مغلوں کی ایک جرار فوج لیکر خسرو کوکلتاش حاکم سیالکوٹ کی مدد کو گئے۔

سلطان علاؤالدین (علاؤالدین کو عالم خاں بھی کہتے تھے۔ یہ سلطان بہلول لودھی کا بیٹا۔ اور سلطان ابراہیم لودھی کا چچا تھا۔ مگر بھتیجے کے سلوک سے جہاں اور امرائے لودھی نالاں تھے۔ یہ بھی فریاد کناں رہتا تھا۔ تاریخ ذکاءاللہ میں تو یہ لکھا ہے کہ سلطان علاؤ الدین بابر کے سیالکوٹ آنے کی خبر سن کر لاہور سے اس کے پاس آ گیا۔ مگر مصنف حیات لودھی اپنی کتاب کے حصہ سوم صفحہ نمبر ۱۶۰ پر لکھتے ہیں کہ عالم خاں عرف سلطان علاؤ الدین نواح سرہند میں ابراہیم سے شکست کھا کر بابر کے پاس کابل چلا گیا تھا۔ بابر نے اپنی روانگی لاہور سے پیشتر ۹۳۲ھ میں اس کو اپنے لشکر اور امراء کے ساتھ ہندوستان بھیجا۔ وہ سیالکوٹ آیا۔ اور نواحکے رئیسوں کو مطیع کرتا ہوا لاہور پہنچا۔ اور یہاں سے ۴۰ ہزار کا لشکر لیکر دہلی کی

Marfat.com

طرف روانہ ہوا۔ اور ابراہیم سے شکست کھا کر واپس آیا۔ اسی واپسی میں وہ سیالکوٹ میں بابر سے ملا۔) لودھی جو ابراہیم لودھی بادشاہ ہند سے سخت عداوت رکھتا تھا۔ اور خواجہ حسین دیوان لاہور جو خزانہ لاہور کا افسر اعلیٰ تھا۔ اور کئی امراء بابر کے آنے کی خبر سن کر سیالکوٹ آ گئے۔

۱۴ ربیع الاول ۹۳۲ھ جمعہ کا دن تھا کہ بابر اپنے بیٹے شاہزادہ ہمایوں اور دس ہزار فوج کے ساتھ سیالکوٹ میں داخل ہوا۔ اس نے سیالکوٹ آ کر اہل لاہور کو تو یہ پیغام بھیجا کہ تم لوگ اگر امرائے بابر کی مخاصمت سے باز رہو گئے۔ تو تم کو کسی طرح کی تکلیف نہ دیجائے گی۔ اور اپنے آدمیوں کو جو لاہور میں تھے۔ کہلا بھیجا کہ وہ سیالکوٹ یا پرسرور (پسرور) آ کر میری سپاہ کے ساتھ شامل ہو جائیں تا کہ ہماری جمعیت جگہ جگہ منتشر نہ ہو۔

بابر پسرور میں تھا کہ اس کو اطلاع ملی کہ غازی خاں نے تیس چالیس ہزار فوج جمع کی ہے۔ اور اس کے بوڑھے باپ (دولت خاں لودھی) نے ایک کی بجائے دو تلواریں کمر میں کس لی ہیں۔ بابر کو لودھیوں کی خانہ جنگیوں کا حال معلوم تھا۔ اس لئے باوجود غیر ملک میں اپنی تھوڑی سی فوج رکھنے کے بھی وہ ہراساں نہ ہوا۔ آخر اس نے نہ صرف ان باپ بیٹوں کا استیصال کیا۔ بلکہ ۱۸ رجب ۹۳۲ھ بمطابق ۱۵۲۵ء روز جمعہ کو سلطان ابراہیم لودھی پر بھی فتح پالی۔ اور ہندوستان کی عظیم مملکت کا بادشاہ ہو گیا۔ اور سیالکوٹ کی حکومت بدستور خسرو کو کلتاش کے سپرد رہی۔

سلیم شاہ سوری سیالکوٹ میں

۹۳۲ھ عہد بابری سے لیکر بیس سال تک سیالکوٹ کے حالات پر پھر تاریکی چھا جاتی ہے۔ ۹۵۲ھ سے ۹۵۵ھ مطابق ۱۵۵۳ء کے درمیان سلیم شاہ سوری بن شیر شاہ سوری کے زمانہ میں پھر سیالکوٹ ایک مرتبہ صفحات تاریخ پر اس موقع پر نظر آتا ہے جب

Marfat.com

نیازی پٹھان سوری افغانوں سے شکست کھا کر کشمیر کی طرف بھاگ جاتے ہیں۔اور سلیم شاہ ان کا تعاقب کرتا ہوا سیالکوٹ تک آ پہنچتا ہے۔اسی جگہ نیازیوں کا سب سے بڑا سرغنہ ہیبت خاں معہ اپنی ماں اور فرزندوں کے سلیم شاہ کے پاس عفو تقصیرات کے لئے پیش ہوتا ہے۔سلیم شاہ نے کئی دن تک نزول اجلال سیالکوٹ میں رکھا۔اسی بادشاہ کے زمانہ میں میاں وارث کشمیری سیالکوٹ میں ایک نامور بزرگ ہے جو مالگذار اور تعلقدار بھی تھا۔اور جس کے حسن انتظام سے سب لوگ خوش تھے۔

سیالکوٹ شہنشاہ اکبر کے زمانہ میں

۱۵۵۶ء الغایت ۱۶۰۵ء

اکبر کے عہد میں ہندوستان کی تقسیم صوبوں کے علاوہ باونیوں پر بھی تھی سیالکوٹ بھی ایک باونی کا صدر مقام تھا۔جس کے ماتحت علاوہ چھوٹے چھوٹے گاؤں کے ۵۲ بڑے بڑے دیہات بھی تھے یہی ۵۲ دیہات ایک باونی کہلاتے تھے جموں (جموں اس زمانہ میں تو ایک بے حقیقت گاؤں سا تھا۔اب اس کی آبادی ۳۳ ہزار کے قریب ہے مہاراجہ جموں و کشمیر کا گرامی صدر مقام ہے۔) ایمن آباد (ریاست جموں و کشمیر کے نامور وزراء دیوان امیر خسرو دیوان جوالاشہائے۔دیوان کرپارام۔دیوان گوبند سہائے۔دیوان انت رام و دیوان امرناتھ اسی ایمن آباد کے رہنے والے تھے۔اب اس اعلیٰ خاندان سے صرف دیوان دھنپت رائے جاگیر دار جو دیوان نچھن داس کے بیٹے ہیں۔باقی ہیں۔) سوہدرہ ۳ عہد شاہجہان کا مشہور ہندو شاعر جندر بھان تخلص برہمن اسی سوہدرہ کا رہنے والا تھا۔اس کا ایک مشہور شعر ہے:ببیں کرامت بتخانہ مرا اے شیخ، کہ چوں خراب سود خانہ خدا گردو، سوہدرہ بہت پرانا قصبہ ہے۔اب بھی اس میں پرانے آثار نظر آتے ہیں۔بیان کیا

Marfat.com

جاتا ہے کہ محمود غزنوی کے غلام آیاز نے اس کو آباد کیا تھا۔ جو لاہور کا نائب حاکم بھی رہا ہے اور جس کا مقبرہ لاہور میں اب تک موجود ہے۔) شیخوپورہ۔(شیخوپورہ اکبر کے زمانہ میں سلیم کے ابتدائی نام شیخو بابا پر آباد ہوا۔ سلیم نے بادشاہ ہو کر اس کا نام جہانگیر آباد رکھا۔ مگر وہ مشہور نہ ہو سکا۔ رانی جنداں اسی شیخوپورہ میں قید رہی تھی اب یہ مقام مع اپنے وسیع قلعہ کے راجہ فتح سنگھ رئیس لاہور کی جاگیر میں ہے۔ شیخوپورہ چند سالوں سے ضلع کا صدر مقام ہو گیا ہے۔ اور اس کی رونق و آبادی بہت بڑھ گئی ہے۔) یہ سب مقامات سیالکوٹ کے ماتحت تھے۔

اس زمانہ میں دریائے چناب کے پار سے ڈاکو اور رہزن آتے تھے اور چھاپہ مار کر چلے جاتے تھے۔ حکام سیالکوٹ جن کے ماتحت وہ علاقہ تھا۔ ان کے انتظام سے عاجز تھے۔ اکبر جب ۹۹۴ھ کے بعد سفر کشمیر سے واپس آیا۔ اور بھمبر کے قرب و جوار کے لوگوں نے گجروں کی لوٹ مار کی شکایت کی تو اکبر نے گجرات کے نام سے ایک گاؤں آباد کیا۔ جہاں سیالکوٹ سے بھی بہت لوگ آ کر آباد ہوئے اور اس گاؤں کو جس میں گجروں کی آبادی دیگر تمام اقوام سے زیادہ تھی سیالکوٹ سے بالکل الگ کر دیا۔

اسی سفر میں اکبر سیالکوٹ بھی آیا۔ قلعہ کی عمارت دیکھی۔ امام علی لاحق اور دیگر بزرگان دین کے مقبروں اور مزاروں پر گیا۔ اسی زمانہ میں سیالکوٹ سے ایک میل کے فاصلہ پر ایک بزرگ شاہ محمد حمزہ غوث متوکلانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ شہنشاہ اکبر کہ عجیب و غریب طبعیت لے کر آیا تھا۔ خود ان سے ملنے گیا۔ ملکر بہت خوش ہوا۔ ان کے خدام اور لنگر عام کے لیے چند گاؤں وقف کر دیئے۔ اکبر نے راجہ مان سنگھ کو سیالکوٹ جاگیر میں دیدیا۔ مان سنگھ نے خوب رعایا پروری سے کام لیا۔ شاہ حمزہ غوث کی حیات میں ان کی عبادت کا چلہ بعمارت پختہ تعمیر کرایا۔ اور جب وہ وفات پا گئے تو ان کے مزار کی تمام عمارت بھی خود بنوائی۔

اس زمانہ میں کشمیر میں شیعہ چک بادشاہ سنی مسلمانوں کو بہت تنگ کرتے تھے۔

Marfat.com

اس لیے کشمیر کے اکثر سنی مسلمان ترک وطن کر کے سیالکوٹ اور دیگر مقامات پر آ گئے تھے۔ اور یہاں عموماً کاغذ سازی کا کام کرتے تھے۔ مان سنگھ نے ان لوگوں کی حوصلہ افزائی کی۔ کاغذ سازوں کو پیشگی روپیہ بطور امداد دیا۔ جس سے انہوں نے اپنے فن کو خوب وسعت و ترقی دی۔ اسی زمانہ میں اسی سرپرستی کی وجہ سے کاغذ کا نام مان سنگھیہ کاغذ مشہور ہو گیا۔

اکبر ہی کے زمانہ میں مولوی کمال الدین کاشمیری استاد مولوی عبدالحکیم اپنے وطن کشمیر سے سیالکوٹ آئے۔ اور میاں وارث کی مسجد میں امام مقرر ہو کر لوگوں کو درس تدریس دینے لگے۔

اکبر کے زمانہ میں تانبہ اور سونے کے سکے اکثر مقامات میں بنائے جاتے تھے۔ تانبہ کی ٹکسال ۱۸ مقامات پر تھی۔ جن میں ایک ٹکسال سیالکوٹ میں بھی تھی۔

سیالکوٹ عہد جہانگیری میں

۱۶۰۵ء لغایت ۱۶۲۷ء

جہانگیر کے زمانہ میں سیالکوٹ کا جاگیر دار اور فوجدار (کمانڈنگ افسر) خان خاناں صفدر خاں تھا۔ جس نے قلعہ اور قلعہ کے برجوں کو از سر نو تعمیر کرا کے اس میں قسم کے عجیب و حیرت انگیز محلات تعمیر کرائے کہ چشم فلک نے بھی بہت کم دیکھے ہوں گے۔ ان عمارات میں رنگ محل اور شیش محل نہایت لاجواب عمارتیں تھیں۔ ملازمان جنگی و ملکی کے لئے الگ مکانات تعمیر ہوئے۔ غرض قلعہ بجائے خود ایک اچھا خاصہ شہر تھا۔

صفدر خاں کی تقلید میں رؤسائے شہر نے بھی عالیشان عمارتیں تعمیر کرائیں جہانگیر نے بھی مان سنگھ کی طرح کاغذ سازوں کی سرپرستی کی۔ بلکہ اعلیٰ درجہ کے کاغذ کا نام ''جہانگیری کاغذ'' قرار پایا۔ یہ کاغذ عام کتب کے علاوہ مذہبی کتابوں کی کتابت میں بھی

Marfat.com

استعمال ہوتا تھا۔ کاغذ کی پائداری اور خوشنمائی کی وجہ سے ساہوکار لوگ اپنی بہیاں بھی اسی کاغذ پر بناتے تھے۔ جو کاغذ ادنیٰ یا متوسط درجہ کا ہوتا تھا وہ سرکاری کاغذات کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔

جہانگیر کے زمانہ میں سیالکوٹ کی آبادی ورونق بہت بڑھ گئی۔ مکانات اور باغات عالیشان تعمیر ہو گئے۔ مرفع الحالی میں لوگوں نے خوشدلی کے سامان پیدا کر دیئے۔ علماء وفضلاء کی قدردانی میں جہانگیر نے خاص حصہ لیا۔ مولوی عبدالحکیم سیالکوٹی کو سب سے پہلے جہانگیر نے ہی جاگیر عطا کی تھی۔

سیالکوٹ شاہجہان کے زمانہ میں

۱۶۲۷ء تا ۱۶۵۸ء مطابق ۱۰۳۷ھ تا ۱۰۶۸ھ

شاہجہان کے زمانہ میں سیالکوٹ کے آٹھ دروازے تھے۔ اور ہر دروازہ پر چند فوجی سپاہی تعینات تھے۔ دروازوں کے نام معہ ان کے فوجی کمانڈروں کے حسب ذیل ہیں۔ کشمیری دروازہ (بہ ماتحتی سردار کمال خاں لودھی) گجراتی دروازہ (بہ ماتحتی احمد خاں کرانی) مغربی دروازہ (مقصود خاں شروانی) لاہوری دروازہ یعقوب خاں شروانی) دہلی دروازہ (نصر اللہ خاں شیروزئی) مشرقی دروازہ (رحیم خاں ہلوانی) جموں والا دروازہ (بہ ماتحتی زبردست خاں) موری دروازہ (بہ ماتحتی افضل خاں شیروانی) آٹھ دروازوں میں سے چار دروازوں پر صرف شیروانی پٹھانوں کی پہرہ داری اس بات کی علامت ہے کہ یہ لوگ جو ۹۳۲ھ میں بعہد بابر مغلوں کے جانی دشمن تھے۔ اور سیالکوٹ کو بابر سے چھیننے کے لیے حملہ آور ہوئے تھے۔ ایک سو سال کے بعد ۱۰۳۷ھ میں بعہد شاہجہان حکومت پنجاب کی مشین کا ایک قیمتی پرزہ اور سیالکوٹ کو دشمنوں کے حملوں سے محفوظ رکھنے کا ایک زبردست

Marfat.com

ذریعہ تھے۔ سیالکوٹ میں اب بھی شیروانی پٹھانوں کی ایک معقول تعداد ہے۔

مغلیہ عہد حکومت میں مالگذاری کی رقم شاہی آمدنی کا بہت بڑا بلکہ سب سے زیادہ ذریعہ تھی۔ اکبر سے پہلے جو بادشاہ ہندوستان میں ہوئے ہیں وہ ۱/۲ حصہ پیداوار کا لیا کرتے تھے اور اکبر تیسرا حصہ لیا کرتا تھا۔ شاہجہان کے عہد میں عام محصولات کی تو خبر نہیں۔ لیکن تاریخ سیالکوٹ یعنی وقائع زمستان حصار سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ شاہجہان کے ایام حکومت میں سیالکوٹ میں فی بیگہ صرف چھ پیسے (امر) لگان اراضی تھا! اور باغات کی پیداوار پر تو کسی قسم کا کوئی محصول نہ تھا۔ اس لئے کاشت اراضی۔ باغات اور عمارات دلکش کی تعمیر سے سیالکوٹ بہشت کا ایک ٹکڑہ معلوم ہوتا تھا۔

شاہجہان کے عہد میں مائی پیلاں کے نام سے ایک نیک بخت ہندو عورت سیالکوٹ میں گذری ہے۔ جو بغیر تمیز مذہب وملت ہر روز تین چار روپے کے پیسے فقراء۔ غرباء اور معصوم لڑکوں میں تقسیم کرتی تھی۔ مائی پیلاں (جہاں آج کل ٹالنٹن پارک ہے وہاں اس نیک بخت ومخیر عورت کا ایک باغ بھی تھا۔ جس کے مشرق کی جانب صفدر خاں کے غلام پنوں خاں نے ایک تالاب تعمیر کرایا تھا۔ وہ تالاب تو اب کہیں نہیں۔ البتہ اس مقام کا نام اب تک ''پنوں سر'' مشہور ہے۔) کو ایک دن معلوم ہوا کہ مسجد محلّہ خراسیاں جہاں لڑکے پڑھتے ہیں ایسی شکستہ اور خراب حال ہے کہ بارش کے دنوں میں لڑکوں کو قرآن اور سیپارے سنبھالنے مشکل ہو جاتے ہیں۔ مائی پیلاں نے مسجد کی مرمت کے لئے پڑاوہ والوں کو کچھ روپے دیئے۔ میاں اسلام یار ایک وڈہرہ رئیس کو جب خبر ہوئی تو اس کی حمیت نے گوارا نہ کیا۔ کہ میں اس ثواب سے محروم رہوں۔ مائی پیلاں کو بہت کچھ کہا سنا۔ لیکن اس نے ایک نہ مانی۔ آخر فیصلہ یہ ہوا کہ مسجد تو میاں اسلام یار بنوائے اور کنواں مائی پیلاں تعمیر کرائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ وہ مسجد اور کنواں اب تک محلّہ خراسیاں میں آباد ہیں۔

Marfat.com

سیالکوٹ عالمگیری عہد میں

۱۶۵۸ء لغایت ۱۷۰۷ء

عالمگیر کے زمانہ میں بھی سیالکوٹ روز بروز رونق حاصل کرتا رہا۔ ملک میں امن و امان تھا۔ تجارت کو کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ بڑے بڑے شہروں میں مدرسے اور کتب خانے موجود تھے۔ اور علم و ہنر کا ہر جگہ چرچا تھا۔ عالمگیر کے زمانہ میں سیالکوٹ کا ایک صاحب حشمت ہندو وڈہرہ دہلی جا کر مسلمان ہو گیا تھا۔ جس کا نام رحمت اللہ رکھا گیا۔ بادشاہ نے اس کو جاگیر و منصب عطا کر کے سیالکوٹ کا پرگنہ دار مقرر کیا۔ شیخ رحمت اللہ نے کئی عالیشان مکانات تعمیر کرائے۔ شہر کے عین درمیان بہت اونچی کرسی بنا کر شاہانہ طرز پر ایک مسجد تعمیر کرائی۔ یہی مسجد اب دو دروازہ والی مسجد کہلاتی ہے۔

یہ مسجد محمد فرخ سیئر کے زمانہ حکومت میں تکمیل کو پہنچی۔ قطعہ تاریخ مسجد کے دروازہ پر جو سیالکوٹ کے سب سے بڑے بازار میں ہے۔ حسب ذیل درج ہے

آسماں گفتہ کہ احسن ثناء — ہمچو کعبہ شدہ ایں مسجد بناء
رحمت اللہ کرد ایں مسجد بناء — سال تاریخش چو جستم عقل گفت

۱۱۳۹ھ

۱۲۶۹ھ میں بزمانہ منشی بشارت علی تحصیلدار اعلیٰ پیمانہ پر اس مسجد کی مرمت ہوئی۔ بن باجوہ (ضلع سیالکوٹ) کے ایک عالم باعمل مولوی شیر محمد مرحوم امام مسجد بنائے گئے۔ جن کے فیض تدریس سے اکثر لوگ بہرہ ور ہوئے۔ تاریک مرمت کا قطعہ حسب ذیل ہے۔

چوں بشارت علی نیک نہاد — خانہ کعبہ ساخت نو بنیاد
خواست نادر زسال تاریخش — گفتمش خانہ خدا آباد

۱۲۶۹ھ

Marfat.com

اس مسجد کی دوسری مرمت ۱۳۰۶ھ یا اس کے قریب کسی سال میں آغا محمد شہباز خان رئیس سیالکوٹ نے بہ لاگت کثیر کرائی تھی۔

(آغا محمد شہباز خان سیالکوٹ کے ایک نامور رئیس گذرے ہیں۔ان کی سخاوت وفیاضی سے اہل شہر بہت مستفیض ہوتے تھے۔ان کا عالیشان مکان جو ریلوے سٹیشن کے متصل راجہ بازار کے کنارہ پر اور دیوار قلعہ کے نیچے ہے اب تک ان کے تمول کا اظہار کر رہا ہے آغا خان باقر خان جنہوں نے ترک موالات کے سلسلہ میں آنریری مجسٹریٹی ترک کر دی۔اور آغا محمد صفدر خان بی۔اے جنہوں نے اس سلسلہ میں وکالت ترک کر دی ہے اور جو آج کل محبّ وطن ہونے کے جرم میں سزائے قید بھگت رہے ہیں۔آغا محمد شہباز خان کے ذریات وباقیات الصالحات میں سے ہیں۔)

عالمگیر کے عہد حکومت میں سیالکوٹ کا علمی شان وشکوہ دارالخلافہ اور عہد مغلیہ کے دوسرے نامور علمی شہروں سے کم نہ تھا علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی جن کی تصنیفات ہندوستان سے لے کر قسطنطنیہ تک پھیلی ہوئی ہیں کے صاحبزادہ ملا عبداللہ اپنے والد ماجد کی جگہ اپنے مدرسہ کے قائم مقام ہوئے۔جنہوں نے اپنے علم وفضل کی برکت سے اپنے باپ کے بعد بھی سیالکوٹ کے علمی مرکزیت کے نشان کو مٹنے نہ دیا۔جیسا کہ صاحب خلاصۃ التاریخ (منشی سبحان رائے بھنڈاری بٹالوی عہد عالمگیری۔سنہ تالیف ۱۱۱۸ھ صفحہ ۷۱) مولانا عبداللہ اور ان کے والد مولوی عبدالحکیم کے متعلق لکھتے ہیں:۔در عہد خلافت شاہجہان بادشاہ افضل العلماء مظہر طبع مستقیم مولوی عبدالحکیم کہ بحر مواج فضل وکمال ودر فضائل وافادات بیہمال بود۔بیشتر مروج علوم گردید وبعضے بر کتب حاشیہ تصنیف نمودہ محلل معانی مشکلہ گردید وطلبہ علم از ممالک دور ونزدیک در مدرسہ متبرکہ ایشاں۔رسیدہ فیضیاب شدند وبعد رحلت ایشاں

Marfat.com

مقتدائے اہل اللہ رہنمائے خلق اللہ مولوی عبداللہ خلف (اس سے معلوم ہوتا ہے مولوی عبدالحکیم کے ایک سے زیادہ فرزند تھے اور مولوی عبداللہ چونکہ دوسرا بیٹا تھا اس لیے ایک ان سے بڑا بھی تھا۔) دویمی آں مغفور رونق افزائے مدرسہ و رہنمائے طلبہ علم اشتغال ورزیدہ فضائل معنوی را با علوم ثوری ہمدوش و درویشی را با فضیلت ہم آغوش گردانیدہ۔ از افزونئے حسن اخلاق و رہنمائی طبقات خلائق اہل بزرگ را امام وقت گفتند و در ۳۰ ۱۱ھ عالمگیری بعالم جاوید مے شتافتہ"۔

صاحب خلاصۃ التواریخ نے جو ایک ہندو بزرگ ہیں اور جن کی حیات میں مولوی عبداللہ خلف مولوی عبدالحکیم نے انتقال کیا ہے۔ اور جنہوں نے عالمگیر کی چالیس سالہ حکومت کے دوران میں اپنی تاریخ شروع کی ہے۔ سیالکوٹ کی اس صنعت و حرفت کا ذکر گیا ہے جس نے عہد عالمگیری میں اس کو چار دانگ میں مشہور کر رکھا تھا۔ چنانچہ صاحب خلاصۃ التواریخ سیالکوٹ کے مانسنگھی خلاصہ جہانگیری اور حریری کاغذوں کا ذکر کرنے کے بعد جن کے متعلق ان کی چشمدید رائے ہے کہ وہ سفید و صفا اور دیرپا ہیں۔ لکھتے ہیں کہ "کار چکن از ابریشم و کلابتون از قسم باختہ و چہرہ زفوطہ و سوزنی و عدشقہ دوستار خوان و خوانپوش و راوتی بوٹہ دار و کلابتون موزون مے شود دہر سال قریب لک روپیہ از کار چکن دوزی بہ بیع و شرائے آید و در اطراف گیتی مے رود و نیز جمدہر دکٹاری و برچھی بہتر مے کنند"

آبادی کے متعلق لکھا ہے۔ "در زمان سابق دار الحکومت ولایت پنجاب بود و درسہ کروہ آبادی داشت اکنوں (یعنی عالمگیر کے چالیسویں سال جلوس یا ۱۱۰۸ھ میں جو تاریخ کی تصنیف کا سال ہے۔) از جمیع قصبات ایں صوبہ در آبادی افزون است"۔

Marfat.com

بہادر شاہ شاہ عالم اور سیالکوٹ

عالمگیر اورنگ زیب کے بعد محمد معظم شاہ عالم بہادر شاہ ۱۷۰۸ء میں تخت نشین ہوا۔ ابتداء میں محمد اعظم اور شاہزادہ کام بخش اور شاہ عالم میں خانہ جنگیاں ہوتی رہیں۔ انہی خانہ جنگیوں سے فائدہ اٹھا کر سکھ جو کوہستانی حصوں میں چھپے ہوئے تھے۔ پہاڑوں سے نکل کر گردنواح میں لوٹ مار کرنے لگے۔ اکثر دیہات اور قصبے ویران ہو گئے۔ مگر سیالکوٹ مغلوں اور پٹھانوں کی زبردست فوجوں اور رعایا کی وفاداری کی وجہ سے بالکل محفوظ رہا۔ بہادر شاہ نے بھائیوں کی خانہ جنگیوں سے فارغ ہو کر اہل سیالکوٹ کی جاگیریں برقرار رکھیں۔ اور ان کے منصبوں میں بھی کوئی کمی نہ کی۔ بہادر شاہ نے بادشاہ ہو کر اپنی حکومت کا سارا زمانہ قریباً لاہور ہی میں بسر کیا ہے ۱۷۱۲ء مطابق ۱۱۲۹ھ میں اس نے لاہور ہی میں وفات پائی۔ اس کے عہد میں تین بزرگ سیالکوٹ میں بہت مشہور گذرے ہیں (۱) شاہ دتن ابدال جن کا مقبرہ عیدگاہ کے متصل ہے۔ (۲) شاہ خاکی ولی جن کا مزار رنگپور کے متصل واقع ہے۔ (۳) شاہ مونگا ولی۔ ان کا مقبرہ بھی عیدگاہ کے قریب ہی ہے۔ مہاراجہ رنجیب سنگھ کے زمانہ میں ایک سکھ وزیر سنگھ سکنہ راجہ گھماؤں تحصیل ڈسکہ نے اپنے حسن اعتقاد سے اس مقبرہ کی عمارت بنوادی تھی۔

فرخ سیر کا عہد اور سیالکوٹ

۱۷۱۲ء میں جبکہ باہمی خانہ جنگیوں اور امرائے دربار کی سازشوں سے سلطنت روز بروز کمزور ہو رہی تھی۔ فرخ سیر دہلی کے تخت پر بیٹھا۔ (عظیم الشان کا بیٹا بہادر شاہ عالم کا پوتا اور اورنگ زیب کا بڑا پوتا تھا ۱۷۱۷ء میں معزول ہو گیا) فرخ سیئر کے زمانہ میں بھی سکھوں نے جھاڑیوں اور جنگلوں سے سر باہر نکالا۔ لیکن اس زمانہ میں نواب ذکریا خاں۔

Marfat.com

خان بہادرہ اور لاہور کا صوبیدار تھا اس نے ان کی شورش وفتنہ انگیزی سے سیالکوٹ کو محفوظ رکھا اور انتظام کو زیادہ مستحکم اور ہر پرگنہ کو زیادہ محفوظ بنانے کے لئے اس نے پسرور اور ظفر وال کے محال سیالکوٹ سے علیحدہ کردیئے۔

فرخ سیئر کے زمانہ میں سیالکوٹ کے حسب ذیل چار محال تھے۔ گکھڑ، سمبڑیال مراکیوال، بھاگووال، پرگنہ سیالکوٹ کی کل جمع اس زمانہ میں دس لاکھ ۸۳ ہزار ۲۱ روپیہ تھی۔ ایک لاکھ ۸۷ ہزار کی جاگیر اور معافیات نکال کر نو لاکھ روپیہ سے کچھ زیادہ رقم خالصہ کی تھی۔ اسی وجہ سے اس زمانہ میں سیالکوٹ نولکھا پرگنہ کہلاتا تھا۔

ویرانہ مزروعہ اور باغات پر کوئی مالیہ نہ تھا۔ اور سڑکانہ اور پٹوار لینے کا بھی اس زمانہ میں کوئی دستور نہ تھا۔

حقیقت رائے کا مشہور واقعہ

فرخ سیئر کے زمانہ میں جو واقعہ سب سے زیادہ مشہور اور اہم گذرا ہے وہ سیالکوٹ کے ایک کھتری باغ مل پوری کے نوعمر لڑکے حقیقت رائے کے قتل کا ہے۔ جس کی تفصیل اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ کسی بات پر حقیقت رائے اور ایک مسلمان لڑکے میں جو اس کا ہمدرس یا ہم مکتب بیان کیا جاتا ہے۔ تکرار ہوگئی۔ گالی گلوچ کے بعد نوبت زدوکوب تک پہنچی۔ کہا جاتا ہے کہ حقیقت رائے نے مسلمانوں کے مذہب اور بانئے مذہب کو بھی گالیاں دیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی کہا گیا کہ وہ مدرسہ مسجد اور مسجد کے کنوئیں میں نجاست اور گندگی ڈالتا رہتا ہے مقدمہ قائم ہونے پر سیالکوٹ کے محکمہ قضا نے اس پر فرد جرم لگا کر اسے عدالت العالیہ لاہور میں بھجوادیا۔

حقیقت رائے کے والدین اور دیگر ہندوں بلکہ کئی ایک مسلمانوں نے بھی

Marfat.com

حقیقت رائے کے بچانے کی بڑی کوشش کی۔ مگرنا کام رہے۔ نواب خان بہادر ذکریا خاں لاہور کا گورنر تھا۔ اس پر بھی شرفائے لاہور وسیالکوٹ کی سفارشوں کا بڑا اثر ہوا۔ قاضی کو کہا۔ کافی سزا او سکومل چکی ہے۔ اگر کوئی صورت اس ناتجربہ کار نوعمر لڑکے کی رہائی کی ہوسکتی ہے تو نکالو۔ لیکن قاضی نے اپنے اختیارات کے سامنے گورنر کی بھی ایک نہ سنی۔ آخر بڑا مہربان ہوا۔ تو یہ کہا۔ اگر حقیقت رائے مسلمان ہو جائے تو بچ سکتا ہے۔

حقیقت رائے گو ابھی بالکل نوعمر تھا۔ لیکن اپنی بے گناہی پر چونکہ اسے کامل یقین تھا اس لئے اس نے مسلمان ہونے سے انکار کر دیا۔ اور آخر قاضی کے فتوے کے مطابق لاہور میں اسے پھانسی کی سزا دی گئی۔ اور لاش اس کے وارثوں کے حوالے کر دی گئی۔

حقیقت رائے کے قتل پر ہندوؤں نے بڑا ماتم کیا۔ اس کی سمادھ دو جگہ بنی۔ لاہور اور سیالکوٹ۔ دونوں جگہ حقیقت رائے کی سمادھ پر بہت بڑا میلا ہوتا ہے لاہور میں بسنت کا مشہور بارونق میلا اسی سمادھ پر جو موضع چاہ میراں اور بھوگیوال کے درمیان ہے۔ ہوتا ہے۔ لوگ پتنگ بازی کرتے ہیں۔ ہندوؤں کی بعض ٹولیاں بھجن بھی گاتی ہیں۔ اور سمادھ کے متصل حقیقت رائے کے استقلال اور اس کی ثابت قدمی وحریت پر لیکچر دیئے جاتے ہیں۔ اس میلہ میں عورتیں بھی بکثرت ہوتی ہیں۔

سیالکوٹ کی جس مسجد میں حقیقت رائے پڑھا کرتا تھا۔ وہ مسجد اب تک محلّہ ہیجڑاں میں موجود و آباد ہے۔

حقیقت رائے کے متعلق ہندو شاعروں نے بہت سے دردناک قصے لکھے ہیں۔ اور اس کے ایثار کی تعریف کر کے اس کو حقیقت رائے دھری کا خطاب دیا ہے۔

Marfat.com

محمد شاہ رنگیلے کا زمانہ اور سیالکوٹ

۱۷۲۰ء......تا......۱۷۴۸ء

محمد شاہ روشن اختر کی حکومت کو نادر شاہی آفت کے بعد جس دوسری مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ احمد شاہ ابدالی کا (۱۷۴۷ء کا) حملہ تھا۔ جس میں گو احمد شاہ ابدالی کو اس کے ہمنام شہزادہ احمد شاہ تیموری بن محمد شاہ نے بمقام سرہند کامل شکست دی۔ مگر ابدالی کا کابل اور تیموری کے دہلی واپس جانے کے بعد سکھوں کے دل سے مغلیہ حکومت کا رہا سہا رعب بھی جاتا رہا۔ اور وہ پھر جنگلوں سے نکل کر لاہور اور سیالکوٹ پر حملے کرنے لگے۔ اس زمانہ میں وزیر قمر الدین خان کا بیٹا نواب معین الملک لاہور کا حاکم تھا۔ اور سیالکوٹ بھی اسی کے ماتحت تھا۔

جس طرح آجکل سرحدی لوگ بنوں۔ کوہاٹ۔ تھل وغیرہ سرحدی مقامات سے ہندوؤں اور مسلمانوں کو جبرا پکڑ کر لیجاتے ہیں۔ اور پھر ان کے وارثوں سے زرفدیہ طلب کر کے ان کو واپس کرتے ہیں۔ یا کئی وحشی خونخوار سرحدی پٹھان جمع ہو کر کسی سرحدی گاؤں میں دفعتہً چھاپہ مارتے اور گاؤں کے گاؤں کو لوٹ لیتے ہیں۔ اسی طرح اس زمانہ میں خونخوار سکھ ڈاکے اور چھاپے مارتے اور خلق خدا کو بیحد تکلیف دیتے تھے۔ سیالکوٹ کے لوگ شام ہی سے دروازہ بند کر لیتے تھے۔ اور شہر کے دروازے بھی سرشام ہی ماسوائے محلّہ موری دروازہ کے جو تمام رات کھلا رہتا تھا (موری دروازے کا حاکم شہر کا حاکم ہوتا تھا) بند ہو جاتے تھے۔ مگر پھر بھی کئی اکے دکے سکھوں کے قابو آجاتے تھے۔

Marfat.com

احمد شاہ اور سیالکوٹ

۱۷۴۸ء......تا......۱۷۵۴ء

محمد شاہ رنگیلے کے بیٹے احمد شاہ کی سلطنت اور معین الملک کی نظامت لاہور کے زمانہ میں احمد شاہ ابدالی پھر ایک مرتبہ خونخوار لشکر لے کر کابل سے نکلا۔ جب احمد شاہ دریائے اٹک کو عبور کر چکا۔ تو اس نے بادشاہ کو دہلی لکھا۔ اور مدد طلب کی۔ لیکن وہاں صدائے برنخاست کا معاملہ تھا۔ آخر جب ابدالی لشکر لاہور کے کنارہ آ پہنچا۔ تو معین الملک نے کوئی چارہ نہ دیکھ کر صلح کے ڈورے ڈالنے شروع کئے۔ آخر صلح اس شرط پر ہوئی کہ گورنر لاہور۔ سیالکوٹ۔ گجرات۔ پسرور وغیرہ پرگنوں کی آمدنی ہر سال کابل پہنچایا کرے۔ معین الملک نے یہ شرط منظور کر کے ابدالی سے اپنی جان تو چھڑالی۔ مگر ۱۷۵۲ء سے سیالکوٹ کی آمدنی صوبہ لاہور کی معرفت کابل جانے لگی۔

احمد شاہ کابلی کے ماتحت سیالکوٹ کی حالت

سیالکوٹ جو ۱۵۲۵ء سے تیموری خاندان کے ماتحت چلا آتا تھا۔ ۱۷۵۲ء میں یعنی کامل دوسو ستائیس سال کے بعد کابل کے درانی خاندانی میں انتظامانہ سہی لیکن مالی طور پر ضرور منتقل ہو گیا۔

شاہ عالم ثانی کا زمانہ تھا کہ سکھ اور مرہٹے پنجاب کو پامال کرنے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لے جارہے تھے۔ اسی اثناء میں احمد شاہ ابدالی پھر پنجاب پر حملہ آور ہوا۔ اور اس مرتبہ وہ ایک اپنا گورنر خواجہ عبید خاں لاہور میں مقرر کر گیا۔ کابل جا کر اس نے عبید خاں کے پاس سات ہزار افغانوں کی ایک جمعیت بسر کردگی سردار نور الدین خاں سکھوں کے استیصال کے لئے روانہ کی۔

Marfat.com

ابھی نورالدین گوجرانوالہ ہی میں تھا کہ ۱۷۶۳ء مطابق ۱۸۲۰ بکرمی میں چڑت (دادا مہاراجہ رنجیت سنگھ۔) سنگھ سکر چکیہ وغیرہ سرداروں نے معہ جسا سنگھ اہلو والیہ (بانئے ریاست کپورتھلہ۔) اس کا سختی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ بہت سے کشت وخون کے بعد نورالدین خاں کو شکست ہوئی اور وہ میدان سے بھاگ کر سیالکوٹ کے قلعہ میں کہ نہایت مستحکم و مضبوط تھا۔ پناہ گزین ہو گیا۔ سکھوں نے قلعہ کا محاصرہ کر کے رسد چاروں طرف سے بند کر دی اہل شہر پر یہ دن بڑی مصیبت کے تھے۔ ان پر اکثر حملے ہوتے تھے۔ اور وہ لوٹ لئے جاتے تھے۔ کئی دنوں کے بعد جب اہل قلعہ کی رسد ختم ہو گئی۔ تو نورالدین خاں موقع پا کر جموں کے راجہ کے پاس چلا گیا۔ جو اس سے بڑی عزت کیساتھ پیش آیا۔

خواجہ عبید خاں گورنر لاہور نے یہ غلطی کی کہ سکھوں پر اعتبار کر کے ان کو فوج میں بھرتی کر لیا۔ اور ایک فوج لیکر جس میں سکھوں کی بھی معقول تعداد تھی۔ نورالدین خاں کی مدد کے لئے سیالکوٹ روانہ ہوا۔ ابھی گرجرانوالہ تک ہی پہنچا تھا کہ سکھوں کی فوج جو سیالکوٹ پر ظفریاب ہو کر لاہور پر حملہ آور ہونے کے لیے واپس آرہی تھی۔ عبید خاں کو ملی۔ دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں۔ ابھی لڑائی شروع ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا۔ کہ اس کی فوج کی کثیر تعداد بوجہ ہم مذہبی سکھوں سے جا ملی۔ اور عبید خاں کو ان بدعہدوں کی دغابازی (تاریخ پنجاب صفحہ ۸۴۔ مصنفہ رائے بہادر کنہیا لعل لاہور) سے شکست کھانی پڑی۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ پنجاب پر شاہان دہلی کا کوئی اثر نہ تھا۔ احمد شاہ ابدالی نے عبید خاں کی جگہ دیوان کابلی مل کو جو پہلے نائب گورنر تھا۔ لاہور کا گورنر مقرر کیا۔ کابلی مل کے زمانہ میں سکھوں کا پھر زور ہو گیا۔ اور ان کے مجبور کرنے بلکہ ان کی علانیہ دھمکیوں سے خوف کھا کر دیوان نے قصابان گاؤکش کے ناک کان کاٹ دیئے۔ احمد شاہ نے دیوان کی یہ بزدلی سن کر کابل سے دلاور خاں نام ایک افغان کو لاہور کا صوبہ دار بنا کر بھیجا۔ اور کابلی مل کو اس کا

Marfat.com

نائب مقرر کیا۔ کابلی مل نے بظاہر تو کوئی چون چرانہ کی۔ مگر دل میں بہت برا منایا۔ اور اس کا بدلہ اس طرح لیا کہ سکھوں سے مل کر ان کو صلاح دی کہ بادشاہ کے مقرب و مصاحب جہان خان پر حملہ کرو۔ جو تمہارے تباہ کرنے کی فکر میں دس ہزار سوار لئے قلعہ رہتاس میں موجود ہے۔ جب سکھ دیوان کا اشارہ پا کر جہان خاں پر حملہ آور ہوئے تو وہ سیالکوٹ میں مقیم تھا۔ سکھ بھی سیالکوٹ پہنچے۔ صبح سے شام تک لڑائی ہوتی رہی۔ اہل شہر توپوں کی گرج اور تلواروں کی چمک سے لرزان و ترساں رہے۔ جہان خاں شکست کھا کر رہتاس بھاگ گیا۔ یہ واقعہ ۱۷۶۴ء کا ہے۔ (اسی واقعہ کے متعلق تاریخ کپورتھلہ میں صفحہ ۲۰۹ پر مندرجہ ذیل سطور درج ہیں ۱۸۲۱ ھ مطابق ۱۷۶۴ء میں سرداران مثل بھنگی (سانون سنگھ۔ گنڈا سنگھ۔ جھنڈا سنگھ۔ ہری سنگھ اہلو والیہ۔ ناہر سنگھ چماری والہ) و سرداران مثل گھنیاں (جے سنگھ۔ حقیقت سنگھ۔ امر سنگھ گھنیا امیر سنگھ کنگرہ) ۲۵ ہزار سکھوں کی جمعیت لیکر مہاراجہ جسا سنگھ کپورتھیلہ کیساتھ سیالکوٹ پر حملہ آور ہوئے۔ موضع مسکن پنڈ میں جو سیالکوٹ سے بفاصلہ پانچ کوس دور ہے سردار جہان خاں اپنی فوج لئے مقیم تھے۔ بہت سے کشت و خون کے بعد جہان خاں ہاتھی سے اتر کر گھوڑے پر سوار ہوا۔ اور کہیں غایب ہو گیا۔ مہاراجہ جسا سنگھ نے سردار کے قبائل کو ان کی مرضی کے مطابق جموں بھجوا دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سردار کی بیگم اور جموں کی رانی کا آپس میں بہنا پا تھا۔) اس زمانہ میں سیالکوٹ کی حکومت جیون خاں پٹھان کے سپرد تھی۔

سکھوں کے جن سرداروں نے سیالکوٹ پر حملہ کر کے جہان خاں کو شکست دی۔ اور جیون خاں کو حکومت سے بے دخل کیا تھا۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں۔ ہری سنگھ۔ ساون سنگھ۔ گنڈا سنگھ۔ جھنڈا سنگھ۔ ان سب سرداروں کا تعلق سکھوں کی بھنگی مثل سے تھا۔ (تاریخ بندوبست سیالکوٹ صفحہ نمبر ۳)

ان سب سرداروں نے بالاتفاق سردار جیت سنگھ کو سیالکوٹ کا حاکم مقرر کیا۔

Marfat.com

رنجیت سنگھ کی فوج کشی سیالکوٹ پر

۱۸۰۷ء

رنجیت سنگھ شاہ زمان کی خوشنودیٔ مزاج (جب ۱۷۹۸ء میں کابل کو واپس جاتے ہوئے شاہ زبان والئے کابل کی چند توپیں دریائے چناب سے پار نہ ہوسکیں تو اس نے رنجیت سنگھ کو جوان دنوں رسولنگر کا مالک ومختار تھا۔ اور جس کی طاقت روز بروز بڑھ رہی تھی یہ حکم دیا تھا کہ اگر تم ہماری توپیں دریا سے نکلوا کر ہمارے پاس کابل میں پہنچادو گے تو حکومت لاہور کی سند تمہارے نام کردی جائے گی۔ بقول حافظ شیرازیؒ اگر آن ترک شیرازی بدست آرود دل مارا۔ بخال ہندوش بخشم سمرقند وبخارارا۔ رنجیت سنگھ نے توپیں نکلوا کر شاہ زمان کے بھیجدیں۔ اور حکومت لاہور گھر بیٹھے لے لی جو حکومت پنجاب کا پیش خیمہ تھی۔ رعایائے لاہور بھی سے حاکمان لاہور کے ظلم وستم سے تنگ تھی۔ اس نے بھی اپنے قائم مقاموں کے ذریعہ رنجیت سنگھ کو لاہور پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔) اور رعایائے لاہور کے ایماء کے بعد جب ۱۷۹۹ء میں لاہور پر قابض ہوگیا۔ تو چند ہی دنوں میں اس نے جسر وٹہ۔ چمبہ کے علاوہ کئی اور رؤساء اور راجے مطیع کر لئے۔ مگر ابھی تک دو سرداروں کی طرف سے کھٹکا تھا۔ ایک جیون سنگھ سردار بھنگی جو جیت سنگھ کے بعد سیالکوٹ پر حکمران تھا۔ دوسرے صاحب سنگھ بھنگی جس کی حکومت دریائے چناب سے پار گجرات کے علاقہ میں تھے۔

رنجیت سنگھ نے پہلے جیون سنگھ کی موت کا انتظام سوچا۔ ایک جرار فوج لے کر جب سیالکوٹ کے نزدیک پہنچا تو اپنے وکیل کے ہاتھ اسے یہ پیغام بھیجا کہ اگر مال وجان کی سلامتی مطلوب ہے۔ تو اطاعت نامہ لکھدو۔ اور سالانہ نذرانہ مقرر کردو۔ ورنہ جنگ کے بعد کوئی عذر سماعت نہ ہوگا جیون سنگھ کو سامان جنگ اور قلعہ کے استحکام پر تکبر اور گھمنڈ تھا۔ مگر

Marfat.com

رنجیت سنگھ کے عروج واقبال سے غافل تھا۔اس کے وکیل کو جواب دیا ع ہمیں میدان ہمیں چوگاں ہمیں گو!

رنجیت سنگھ کو جب یہ جواب ملا تو وہ آگ بگولا ہو گیا۔اس نے فوراً شہر کا محاصرہ کر لیا۔اور قلعہ کی بیرونی آبادی پر اس قدر سختی کی کہ روپیہ پیسہ تو کجا۔ان کا کپڑا اور زیور تک بھی نہ چھوڑا۔ ہندو مسلمان کوئی بھی رنجیت سنگھ کے اس ظلم سے نہ بچ سکا۔سکھ وحشیوں کی طرح لوگوں کے گھروں میں گھس جاتے تھے۔اور گھر کا اسباب تہ و بالا کر کے اور گھر والوں کو مار پیٹ کر جو کچھ ملتا تھا لے آتے تھے۔

جیون سنگھ نے قلعہ کا یہ انتظام کیا کہ ایک ہزار مسلح سکھ قلعہ کی دیواروں پر بٹھا دیئے جو رنجیت سنگھ کے آدمیوں کی خبر رکھتے۔اور دور ہی سے ان کو تاک کر نشانہ لگاتے تھے۔ چار توپیں اس کے پاس تھیں۔ وہ اس نے قلعہ کی چاروں دیواروں پر نصب کرا دیں۔شہر والوں کو قلعہ والوں کی خبر نہ تھی۔اور قلعہ والے شہر والوں کے حال سے بے خبر تھے۔

جیون سنگھ کی فوج ایک دو مرتبہ قلعہ سے باہر نکلی مگر بہت سا نقصان اُٹھا کر واپس آ گئی۔اس وقت اہل شہر کی جو حالت تھی۔اس کی کچھ کیفیت ذیل کے الفاظ سے معلوم ہو سکے گی۔سکھوں نے شہر کی خوب خبر لی۔اور ایسا لوٹا کہ نان شبینہ کا محتاج کر دیا"۔(تاریخ پنجاب۔رائے بہادر کنھیا لعل۔صفحہ نمبر ۱۹۳۔)بعد ازاں کامل تین دن تک قلعہ کا محاصرہ رہا۔اہل قلعہ نے مہاراجہ کی فوج کے بیشمار گھوڑے تلف کئے۔اور کئی آدمی بھی جان سے مار دیئے۔ چوتھے دن مہاراجہ نے یہ تجویز کی کہ دو توپیں قلعہ کے دروازہ پر نصب کر کے دروازہ کو توڑ دیا جائے مگر اہل قلعہ بھی ایسے جوانمرد تھے کہ اندر سے پے در پے گولے برسائے تھے۔اور توپوں کو دروازہ تک نہیں آنے دیتے تھے۔

رنجیت سنگھ نے حکم دیا کہ گھوڑوں اور بیلوں کی جگہ توپوں کے آگے سکھوں کو جوتا

Marfat.com

جائے۔ چنانچہ ایک ایک توپ کے آگے سینکڑوں سکھ حیوانوں کی طرح لگائے گئے۔ جو مرتے کٹتے قلعہ کے دروازہ تک توپیں لے ہی گئے۔ توپوں کا وہاں پہنچنا ہی تھا کہ گولہ باری شروع ہوگئی۔ رنجیت سنگھ قلعہ کا دروازہ توڑنے میں آخر کامیاب ہوگیا۔

جیون سنگھ قلعہ کے اندر محصور تھا۔ وہ بچ کر کہاں جا سکتا تھا۔ اس کی گرفتاری فورا عمل میں آئی۔ اس کا خزانہ اور اسلحہ کا ذخیرہ اور بارود کا سامان سب ضبطی میں آ گئے۔ قلعہ پر قبضہ کرنے کے بعد رنجیت سنگھ نے شہر میں منادی کرادی کہ لوگ بے اندیشہ گھروں میں آباد اور اپنے اپنے کاروبار میں مصروف رہیں۔ لیکن اتنی لوٹ مار اور اسقدر تباہی و بربادی کے بعد لوگ زبان حال سے یہ کہتے تھے ع اب کیا رہا ہے جس پر رقیبوں کا ڈر کریں۔

غرض ۱۸۰۷ء میں سنگھان بھنگی کی حکومت کا سیالکوٹ میں خاتمہ ہوا۔ رنجیت سنگھ نے سیالکوٹ کی کارداری حکما سنگھ چمنی کے سپرد کی۔

رنجیت سنگھ کا جشن سیالکوٹ میں

سیالکوٹ کے بعد گجرات اور گجرات کے بعد کئی اور شہر رنجیت سنگھ کے قبضے میں آتے گئے۔ اٹک کا قلعہ کہ قبضہ پشاور کی کنجی تھی۔ وہ بھی انہی ایام میں فتح ہوگیا۔ رنجیت سنگھ آپ تو ان فتوحات کے شکرانہ و نذرانہ کے لئے جوالامکھی روانہ ہوا۔ اور کھڑک سنگھ اپنے ولی عہد کو حکم دیا کہ وہ فوج سمیت سیالکوٹ جائے اور ہمارے آنے کا منتظر رہے۔ کھڑک سنگھ لاؤ لشکر سمیت سیالکوٹ آ گیا۔ شہر میں چاروں طرف سکھ ہی سکھ نظر آتے تھے۔ ہر چند رنجیت سنگھ نے امن و امان کی منادی کرادی تھی مگر لوگ ان کو دیکھ دیکھ کر خود بخود سہمے جاتے تھے۔ جب رنجیت سنگھ جوالامکھی کے مندر سے واپس سیالکوٹ آیا تو اس نے آتے ہی تمام راجگان کوہستانی اور جاگیرداران ملک کے نام احکام صادر کیے۔ کہ وہ اپنی اپنی فوجیں لے

Marfat.com

کر فی الفور سیالکوٹ میں حاضر ہوں۔ رنجیت سنگھ کا رعب داب اس وقت تمام پنجاب پر چھایا ہوا تھا۔ کسی کو سرتابی کی طاقت نہ تھی۔ سب راجے۔ رئیس۔ جاگیردار حاضر ہو گئے۔ سیالکوٹ فوجوں کی کثرت سے اچھا خاصہ میدان جنگ معلوم ہوتا تھا۔ کئی دنوں تک جشن ہوتے رہے۔ اور عیش ونشاط کا بازار گرم رہا۔ رنجیت سنگھ کا اس اجتماع عظیم سے مطلب صرف یہ تھا۔ کہ لوگوں پر اس کی ہیبت چھا جائے۔ چنانچہ چند دنوں کے بعد سب راجے اور رئیس رخصت کر دیئے گئے اور رنجیت سنگھ بھی اپنی فوجیں لے کر اور توپخانہ اونٹوں پر لدوا کر سیالکوٹ سے وزیر آباد اور وہاں سے رہتاس کی طرف روانہ ہو گیا۔

شاہ شجاع والے کابل سیالکوٹ میں

شاہ شجاع جو احمد شاہ ابدالی کا پوتا اور اسی شاہ زبان کا بھائی تھا جس نے چند توپوں کے معاوضہ میں رنجیت سنگھ کو پنجاب کا فرمانروا بنا دیا تھا۔ ۱۸۰۳ء میں تخت کابل پر بیٹھا۔ ۱۸۱۲ء میں اس کی قسمت نے پلٹا کھایا۔ وہ اس توقع پر رنجیت سنگھ کے پاس چلا آیا کہ آخر ہمارے خاندان کا احسان مند ہے۔ خاطر داری سے پیش آئے گا۔ اور اگر احسان بھی اس کو یاد نہ ہو تو آخر پنجاب کا بادشاہ ہے۔ وہی سلوک مجھ سے کرے گا جو ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ کے ساتھ کرتا ہے۔

رنجیت سنگھ نے چند دنوں تک تو خاطر داری کی۔ لاہور کی مشہور مبارک حویلی (اسی مبارک حویلی میں نواب سر فتح علی خاں قزلباش رئیس، جاگیردار لاہور کا قیام تھا۔ یہ حویلی موچی دروازہ کے اندر متصل چوک نواب صاحب واقع ہے۔) شاہ شجاع کی اقامت گاہ بنی۔ جب رنجیت سنگھ کو معلوم ہوا۔ کہ کوہ نور ہیرا شاہ کے پاس ہے تو اس نے اس کے لینے کے لئے بہت ہاتھ پاؤں مارے۔ اپنے وزراء امراء اس کے پاس بھیجے۔ وہ بھی ناکام

Marfat.com

آئے۔ تو تین دن تک اناج کا ایک دانہ بھی اندر جانے کی ممانعت کر دی اور سخت پہرے لگا دیئے۔ جب بادشاہ اور اس کی بیگمات بھوک سے ہلاک ہونے لگے۔ تو اس شرط پر کوہ نور دیا جانا منظور ہوا کہ رنجیت سنگھ خود بادشاہ کے پاس آئے۔ اور ہیرا طلب کرے۔ رنجیت سنگھ نے ایسا ہی کیا۔ اور ہیرا لے لیا۔ یہ واقعہ یکم جون ۱۸۱۳ء کا ہے۔ شاہ شجاع نے جب دیکھا کہ رنجیت سنگھ بادشاہ نہیں بلکہ ایک ڈاکو اور حریص اور رہزن ہے۔ تو مزید بے عزتی کے خوف سے رات ہی رات حویلی سے نکل کر ایک چھکڑے کے ذریعہ گوجرانوالہ پہنچا۔ اور وہاں سے سیالکوٹ چلا آیا۔

ہر چند بھیس بدلے ہوئے تھا۔ لیکن رنجیت سنگھ کے مخبر ہر جگہ تھے۔ اور سیالکوٹ تو خود رنجیت سنگھ کی مملکت میں تھا۔ اور شاہ شجاع کے فرار ہونے کی خبریں بھی تمام ملک میں پھیل چکی تھیں۔ اس لئے چند دن تو اس نے بری بھلی طرح یہاں بسر کئے۔ لیکن جب اطمینان کی کوئی صورت نہ دیکھی تو سیالکوٹ سے جموں اور وہاں سے کشتواڑ چلا گیا۔

سیالکوٹ شہزادہ کشمیرا سنگھ و پشوارا سنگھ کی جاگیر میں

رنجیت سنگھ نے سیالکوٹ کا پرگنہ اپنے دو بیٹوں کشمیرا سنگھ و پشورا سنگھ کی جاگیر میں دے دیا تھا۔ دونوں بھائی ایک ہی ماں کے بطن سے تھے۔ اور اتفاق و محبت سے سیالکوٹ میں رہتے تھے۔ جب ۱۸۴۲ء میں (رنجیت سنگھ کی وفات کے بعد) بزمانہ مہاراجہ دلیپ سنگھ راجہ ہیرا سنگھ وزیر ہو گیا۔ تو اس کے چچا راجہ سوچیت سنگھ کو یہ امر سخت ناگوار گزرا۔ کیونکہ وزارت کا وہ خود مدعی تھا۔ سوچیت سنگھ ڈوگرہ نے اپنے بھتیجے راجہ ہیرا سنگھ کی وزارت کو ناکام و بدنام کرنے کے لئے ملک فتح خاں ٹوانہ سے ملکر ڈیرہ اسماعیل خاں۔ ملتان اور سیالکوٹ میں شورش پیدا کرادی بلکہ کنور کشمیرا سنگھ و پشورا سنگھ کو سلطنت و حکومت کی امیدیں بھی دلائیں۔

Marfat.com

سیالکوٹ میں بے شمار نئے لوگ بھرتی ہو گئے۔ سکھوں کی چار رجمنٹیں لاہور سے پشاور کو جا رہی تھیں۔ جب وزیر آباد پہنچیں اور ان کو معلوم ہوا کہ کنور کشمیرا سنگھ جو تنخواہ اپنی نئی فوج کو دے رہا ہے وہ دربار لاہور کی تنخواہوں سے زیادہ ہے۔ تو چاروں رجمنٹیں اضافہ تنخواہ کے طمع پر پشاور جانے کی بجائے سیالکوٹ چلی گئیں۔

یہ حال دیکھ کر دربار لاہور کو فکر دامنگیر ہوئی۔ راجہ گلاب سنگھ ان دنوں اپنی ریاست (جموں) میں تھا۔ دربار لاہور کے حکم سے وہ مفسدوں کی سرکوبی کے لئے لشکر اور خزانہ لے کر سیالکوٹ آیا۔ ایک دو معمولی لڑائیوں کے بعد مفسد منتشر ہو گئے۔ اور کشمیرا سنگھ و پشورا سنگھ کو اس لیے کچھ نہ کہا۔ کہ مہاراجہ کے فرزند ہونے کی وجہ سے سکھ ان کا بڑا ادب کیا کرتے تھے۔

کشمیرا سنگھ تو چند دنوں کے بعد اس لڑائی میں مارا گیا۔ جو اس نے عطر سنگھ سندھانوالیہ اور بھائی بیر سنگھ (آنروئے ستلج) کے ساتھ شامل ہو کر راجہ ہیرا سنگھ کی فوج کے ساتھ کی تھی۔ باقی پشورا سنگھ رہ گیا۔ جواہر سنگھ برادر رانی جنداں اس سے بہت جلتا تھا۔ اس کے ایماء سے دربار لاہور نے اسے جواب طلبی کے لیے لاہور بلوایا۔ لیکن ساتھ ہی فوج خالصہ کی طرف سے یہ پیغام بھی پشورا سنگھ کو ملا۔ کہ آپ گھبرائیں نہیں ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔ چنانچہ جب پشورا سنگھ لاہور آیا۔ تو فوج نے دھوم دھام سے اس کا استقبال کیا۔ سرداران فوج نے بدہو کے آوا پر اس کو مہاراجہ پنجاب تسلیم کر لیا۔ یہ حال دیکھ رانی جنداں اور اس کا بھائی جواہر سنگھ بہت گھبرائے۔ فوج کو قابو میں رکھنے کا صرف ایک ہی علاج تھا۔ کہ روپیہ بے دریغ خرچ کیا جائے۔ راجہ جواہر سنگھ نے فوج کے ہر سپاہی کو ۲۵۔ ۲۵ روپے کا طلائی کنٹھ دینے کا وعدہ کیا۔ فوج بندۂ زر تھی۔ پشورا سنگھ کو چھوڑ کر جواہر سنگھ کے ساتھ ہو گئی۔ پشورا سنگھ اپنا سامنہ لیکر سیالکوٹ چلا آیا۔ اور وہاں سے اٹک جا کر قلعہ اٹک پر قبضہ کر کے امیر دوست محمد خاں والئے کابل سے خط و کتابت کرنے لگا۔ جواہر سنگھ نے پشورا سنگھ کے

Marfat.com

استیصال کے لئے فوج عظیم روانہ کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ آخر چتر سنگھ اٹاری والہ اور فتح خاں ٹوانہ نے کہ دونوں دربار لاہور کی فوج کے اعلیٰ افسر تھے۔ مکروفریب کا جال پھیلا کر صلح کے بہانے اس کو گرفتار کرلیا۔ اور واپسی کے وقت راجہ جواہر سنگھ کے ایماء کے مطابق ایک رات کو اسے قتل کر دیا۔ اور لاش اس کی دریائے اٹک میں پھینک دی! یہ واقعہ اواخر ۱۸۴۵ء کا ہے۔

غدر ۱۸۵۷ء کا سیالکوٹ

سکھ افواج کی خودسری و جہالت اور وزراء و امرائے دربار کی خود غرضیوں اور خانہ جنگیوں نے بہت جلد سکھ حکومت کا پنجاب سے خاتمہ کر دیا۔ اور ۱۸۴۹ء میں پنجاب مستقل طور پر برٹش گورنمنٹ کے ماتحت آ گیا۔

لوگ آرام و اطمینان کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ رعایا شاد و آباد تھی۔ کہ دفعۃً ہندوستان میں غدر نمودار ہو گیا۔ غدر و شورش کا زیادہ زور یو۔ پی اور دہلی و میرٹھ کی طرف تھا۔ پنجاب نسبتاً اس کے اثر سے بہت کچھ بچا۔ مگر پھر بھی کئی مقامات پر کم و بیش فساد اور خون ہوتے رہے۔ سیالکوٹ میں بھی ہندستانی افواج نے ۹ر جولائی ۱۸۵۷ء کو بغاوت کی۔ اس وقت مونٹگمری صاحب ڈپٹی کمشنر میکمان اسسٹنٹ کمشنر اور جون صاحب اور سید قائم علی اکسٹرا اسسٹنٹان ضلع کے افسر تھے۔ انگریز چھاؤنی میں رہتے تھے۔ ہندوستانی سواروں نے بریگیڈیر افسر کے علاوہ کئی اور انگریز اور میم اور بچے قتل کر دیئے۔ کچھ راجہ تیجا سنگھ کی قلعہ نما حویلی میں جا چھپے۔ بعض بھاگ کر قلعہ میں پناہ گزیں ہو گئے۔ ڈپٹی کمشنر مونٹگمری بچارا بیمار تھا۔ وہ خدا جانے کن مشکلوں سے قریب کے ایک گاؤں کی خس پوش جھونپڑی میں جا چھپا۔ غرض امن پسند طبقہ کی خیر خواہی کی بدولت اکثر انگریزوں کی جانیں تو بچ گئیں۔ مگر مفسدوں نے جیل خانہ کے سب قیدی رہا کرا دیئے۔ خزانہ لوٹ لیا۔ ضلع کا دفتر اور دوسرے تمام محکمے

Marfat.com

اور کچہریاں اور میگزین وغیرہ آگ لگا کر اڑا دیئے گئے۔ پولیس کے پیادہ اور سواروں نے امن قائم رکھنے کی بہت کوشش کی۔ مگر ان کی کوئی پیش نہ چلی۔ لفٹننٹ منٹگمری اس وقت رسالہ نمبر ۹ میں تھے۔ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر لاہور پہنچے اور وہاں سے مدد لائے۔

جب کچھ امن ہوا۔ اور تحقیقاتیں شروع ہوئیں تو سیالکوٹ کے دو بڑے ہندوستانی افسروں کو سولی پر چڑھایا گیا۔ بڑے بڑے مفسد گرفتار ہو کر قابل دار قرار پائے۔ ۱۳۹ مفسد جموں کی سرحد سے پکڑے آئے۔ وہ توپ سے اڑا دیئے گئے غرض انتظام جدید میں کپتان کرب ڈپٹی کمشنر اور لارنس صاحب افسر پولیس مقرر ہوئے۔ اور از سر نو امن وامان قائم ہوا۔ اس مفسدہ کی وجہ سے شہر باشوں پر پچاس ہزار روپیہ جرمانہ کیا گیا۔ مگر جب حکام کو معلوم ہوا کہ شہر والے خیر خواہ رہے ہیں اور ان کی مدد وسعی سے اکثر انگریزوں کی جانیں بچی ہیں تو جرمانہ معاف کر دیا گیا۔ اسی جرمانہ کی رقم سے مولوی عبدالحکیم کے تالاب کی صفائی اور مرمت کی گئی۔

☆☆☆

Marfat.com

کتاب ملنے کے پتے

عمر برادرز چوک پرانی غلہ منڈی حاجی پورہ روڈ سیالکوٹ
فون 0323:6139596:0300:6139596 052:3551158

مولانا محمد خالد رضوی موبائل 0321:7130294

جامع مسجد حضرت علامہ عبدالحکیم رحمۃ اللہ علیہ تحصیل بازار سیالکوٹ
موبائل 0308:4002392:0322:4002392

قادری کتب خانہ 90 سیٹھی پلازہ سیالکوٹ فون 052:4591008

Marfat.com